لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

پیامِ مشرق

(در جوابِ دیوان شاعر المانوی گوئٹے)

اقبال

مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

فہرست مطالب

شمار	نظم	صفحه	شمار	نظم	صفحه
۱	دیباچه	ا تا ن	۱۹	کبر و ناز	۱۲۰
۲	پیش کش	ا تا ۸	۲۰	لاله	۱۲۱
۳	لالۂ طور (رباعیات)	۱۱ تا ۹۲	۲۱	حکمت و شعر	۱۲۲
			۲۲	کرمکِ شب تاب	۱۲۲
	افکار		۲۳	حقیقت	۱۲۵
۴	گلِ نخستین	۹۵	۲۴	حُدی	۱۲۵
۵	دعا	۹۶	۲۵	قطرۂ آب	۱۳۰
۶	ہلالِ عید	″	۲۶	محاوره مابین خدا و انسان	۱۳۲
۷	تسخیرِ فطرت	۹۷	۲۷	ساقی نامه	۱۳۳
۸	بوئے گل	۱۰۱	۲۸	شاہین و ماہی	۱۳۵
۹	نوائے وقت	۱۰۲	۲۹	کرمکِ شب تاب	۱۳۶
۱۰	فصلِ بہار	۱۰۴	۳۰	تنہائی	۱۳۶
۱۱	حیاتِ جاوید	۱۰۸	۳۱	شبنم	۱۳۸
۱۲	افکارِ انجم	۱۰۹	۳۲	عشق	۱۴۲
۱۳	زندگی	۱۱۰	۳۳	اگر خواہی حیات اندر خطر زی	۱۴۳
۱۴	محاوره علم و عشق	۱۱۱	۳۴	جہانِ عمل	۱۴۴
۱۵	سرودِ انجم	۱۱۲	۳۵	زندگی	۱۴۵
۱۶	نسیم صبح	۱۱۶	۳۶	حکمتِ فرنگ	۱۴۶
۱۷	پندِ باز با بچۂ خویش	۱۱۷	۳۷	حور و شاعر	۱۴۷
۱۸	کرمِ کتابی	۱۱۹	۳۸	زندگی و عمل	۱۵۰

شمار	نظم	صفحہ
۳۹	الملک للہ	۱۵۰
۴۰	جوئے آب	۱۵۱
۴۱	نامۂ عالمگیرؒ	۱۵۳
۴۲	بہشت	۱۵۴
۴۳	کشمیر	۱۵۵
۴۴	عشق	۱۵۶
۴۵	بندگی	۱۵۷
۴۶	غلامی	″
۴۷	چیستانِ شمشیر	۱۵۸
۴۸	جمہوریت	″
۴۹	بہ مبلغ اسلام در فرنگستان	۱۵۹
۵۰	غنی کشمیری	۱۶۰
۵۱	خطاب بہ مصطفےٰ کمال پاشا	۱۶۱
۵۲	طیارہ	۱۶۲
۵۳	عشق	۱۶۳
۵۴	تہذیب	۱۶۴
۵۵	مے باقی (غزلیات)	۱۶۷ تا ۲۲۲
	نقش فرنگ	
۵۶	پیام	۲۲۵
۵۷	جمعیت الاقوام	۲۳۳
۵۸	شوپن ہار و نیٹشا	۲۳۴
۵۹	فلسفہ و سیاست	۲۳۵
۶۰	صحبتِ رفتگاں	۲۳۶
۶۱	نیٹشا	۲۳۸
۶۲	حکیم آئن سٹائن	۲۳۹
۶۳	بائرن	۲۴۰
۶۴	نیٹشا	۲۴۱
۶۵	جلال و ہیگل	۲۴۲
۶۶	پٹوفی	۲۴۳
۶۷	محاورہ مابین حکیم فرنسوی آگسٹس کومٹ و مرد مزدور	۲۴۴
۶۸	ہیگل	۲۴۵
۶۹	جلال و گوئٹے	۲۴۶
۷۰	پیغامِ برگساں	۲۴۷
۷۱	میخانۂ فرنگ	۲۴۸
۷۲	موسیولینن و قیصر ولیم	۲۴۹
۷۳	حکما	۲۵۱
۷۴	شعرا	۲۵۲
۷۵	خرابات فرنگ	۲۵۳
۷۶	خطاب بہ انگلستان	۲۵۴
۷۷	قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور	۲۵۵
۷۸	نوائے مزدور	۲۵۷
۷۹	آزادی بحر	۲۵۸
۸۰	خردہ	۲۵۹ تا ۲۶۴

دیباچہ

"پیامِ مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن "حکیمِ حیات" گوئٹے کا "مغربی دیوان" ہے جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے۔

"یہ ایک گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔۔۔
۔۔۔ اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے"۔

گوئٹے کا یہ مجموعہ اشعار جو اس کی بہترین تصانیف سے ہے اور جس کو اس نے خود "دیوان" کے نام سے موسوم کیا ہے کن اثرات کا نتیجہ تھا اور کن حالات میں لکھا گیا اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر اس تحریک کا ذکر کیا جائے جس کو المانوی ادبیات کی تاریخ میں "تحریکِ مشرقی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میرا

قصد تھا کہ اس دیباچے میں تحریک مذکور پر کسی قدر تفصیل سے بحث کروں گا مگر افسوس ہے کہ بہت سا مواد جو اس کے لئے ضروری تھا ہندوستان میں دستیاب نہ ہو سکا پال ہورن - تاریخ ادبیات ایران کے مصنف نے اپنے ایک مضمون میں اس امر پر بحث کی ہے کہ گوئٹے کس حد تک شعرائے فارس کا ممنون ہے - لیکن رسالہ نارو اند سود کا وہ نمبر جس میں مضمون مذکور شائع ہوا تھا نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے سے مل سکا نہ جرمنی سے - مجبوراً اس دیباچے کی تالیف میں کچھ تو گذشتہ مطالعہ کی یادداشت پر بھروسہ کرتا ہوں اور کچھ مسٹر چارلس ریمی کے مختصر مگر نہایت مفید اور کارآمد رسالے پر جو اُنہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے۔

ابتدائے شباب ہی سے گوئٹے کی ہمہ گیر طبیعت مشرقی تخیلات کی طرف مائل تھی - سٹراس برگ میں جہاں وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف تھا - اسکی ملاقات جرمن لٹریچر کی مشہور اور قابلِ احترام شخصیت ہرڈر سے ہوئی جس کی صحبت کے اثرات کو گوئٹے نے خود اپنے سوانح میں تسلیم کیا ہے - ہرڈر فارسی نہ جانتا تھا۔

لیکن چونکہ اخلاقی رنگ اس کی طبیعت پر غالب تھا اس لئے سعدی کے تصانیف
سے اسے نہایت گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ "گلستان" کے بعض حصوں کا اس نے
جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے رنگ سے اُسے چنداں لگاؤ
نہ تھا۔ اپنے معاصرین کو سعدی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے "حافظ کے
رنگ میں ہم بہت کچھ نغمہ سرائی کر چکے۔ اس وقت سعدی کے تلمذ کی ضرورت ہے"
لیکن باوجود اس دلچسپی کے جو ہرڈر کو مشرقی لٹریچر سے تھی اس کے اپنے
اشعار اور دیگر تصانیف پر مشرقی لٹریچر کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس
گوئٹے کا دوسرا معاصر شلر بھی جو مشرقی تحریک کے آغاز سے پہلے ہی مر چکا
تھا مشرقی اثرات سے آزاد ہے۔ گو اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ کہ
اس کے ڈراما "توران دخت" کا پلاٹ مولانا نظامی کے افسانہ دختر
پادشاہ اقلیم چہارم (ہفت پیکر) سے لیا گیا ہے۔ جس کا آغاز مولانا نے
اس شعر سے کیا ہے ؎

"گفت کز جملۂ ولائتِ روس
بود شہرے بہ نیکوئی چو عروس"

۱۸۱۲ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ کے دیوان کا پورا ترجمہ شائع کیا اور اسی ترجمے کی اشاعت سے جرمن ادبیات میں مشرقی تحریک کا آغاز ہوا۔ گوئٹے کی عمر اس وقت ۶۵ سال کی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جرمن قوم کا انحطاط ہر پہلو سے انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ ملک کی سیاسی تحریکوں میں عملی حصّہ لینے کیلئے گوئٹے کی فطرت موزوں نہ تھی اور یورپ کی عام ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو کر اس کی بے تاب اور بلند پرواز روح نے مشرقی فضا کے امن و سکون میں اپنے لئے ایک نشیمن تلاش کر لیا۔ حافظ کے ترنم نے اس کے تخیلات میں ایک ہیجانِ عظیم برپا کر دیا جس نے آخر کار "مغربی دیوان" کی ایک پائدار اور مستقل صورت اختیار کر لی۔ مگر فان ہیمر کا ترجمہ گوئٹے کے لئے محض ایک محرک ہی نہ تھا بلکہ اس کے عجیب و غریب تخیلات کا ماخذ بھی تھا۔ بعض بعض جگہ

اس کی نظم خواجہ کے اشعار کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتی ہے اور بعض جگہ اس کی قوتِ تخیل کسی خاص مصرع کے اثر سے ایک نئی شاہراہ پر پڑ کر زندگی کے نہائت دقیق اور گہرے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ گوئٹے کا مشہور سوانح نگار بیل سوشکی لکھتا ہے :۔

"بلبلِ شیراز کی نغمہ پردازیوں میں گوئٹے کو اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی۔ اس کو کبھی کبھی یہ احساس بھی ہوتا تھا۔ کہ شاید میری روح ہی حافظ کے پیکر میں رہ کر مشرق کی سرزمین میں زندگی بسر کر چکی ہے۔ وہی زمینی مسرت، وہی آسمانی محبت، وہی سادگی، وہی عمق، وہی جوش و حرارت، وہی وسعتِ مشرب، وہی کشادہ دلی اور وہی قیود و رسوم سے آزادی! غرضکہ ہر بات میں ہم اُسے حافظ کا مثیل پاتے ہیں۔ جس طرح حافظ لسان الغیب و ترجمانِ اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہانِ معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بیساختہ پن میں بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہیں۔ دونوں نے

امیر و غریب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان فاتحوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا (یعنی حافظ نے تیمور[1] کو اور گوئٹے نے نپولین کو) اور دونوں عام تباہی اور بربادی کے زمانے میں طبیعت کے اندرونی اطمینان و سکون کو محفوظ رکھ کر اپنی قدیم ترنم ریزی جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔"

خواجہ حافظ کے علاوہ گوئٹے اپنے تخیلات میں شیخ عطار، سعدی، فردوسی اور عام اسلامی لٹریچر کا بھی ممنونِ احسان ہے۔ ایک آدھ جگہ ردیف و قافیہ کی قید سے غزل بھی لکھی ہے۔ اپنی زبان میں فارسی استعارات بھی (مثلاً "گوہرِ اشعار"۔ "تیرِ مژگاں"۔ "زلفِ گرہ گیر") بے تکلف استعمال کرتا ہے بلکہ فارسیت کے جوش میں امرد پرستی کی طرف اشارات کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ دیوان کے مختلف حصوں کے نام بھی فارسی میں۔ مثلاً مغنّی نامہ۔ ساقی نامہ

[1] خواجہ حافظ اور تیمور کی ملاقات کی روائت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ خواجہ کا انتقال تیموری فتح شیراز سے پہلے ہو چکا تھا۔

عشق نامہ۔ تیمور نامہ۔ حکمت نامہ وغیرہ۔ باوجود ان سب باتوں کے گوئٹے کسی فارسی شاعر کا
مقلد نہیں۔ اور اس کی شاعرانہ فطرت قطعاً آزاد ہے۔ مشرق کے لالہ زاروں میں اسکی
نواپیرائی محض عارضی ہے۔ وہ اپنی مغربیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا اور اس کی نگاہ صرف
انہیں مشرقی حقائق پر پڑتی ہے۔ جن کو اس کی مغربی فطرت جذب کر سکتی ہے۔ عجمی
تصوّف سے اسے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ اور گو اسے یہ بات معلوم تھی کہ مشرق میں خواجہ حافظ
کے اشعار کی تفسیر تصوّف کے نقطۂ نگاہ سے کی جاتی ہے۔ وہ خود تغزلِ محض کا دلدادہ
تھا اور کلامِ حافظ کی صوفی تعبیر سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مولینا روم کے
فلسفیانہ حقایق و معارف اس کے نزدیک مبہم تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے
رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ جو شخص سپونوزا (ہالینڈ کا ایک فلسفی
جو مسئلہ وحدت الوجود کا قائل تھا) کا مداح ہوا اور جس نے برونو (اٹلی کا ایک وجودی
فلسفی) کی حمائت میں قلم اُٹھایا ہو اس سے ممکن نہیں کہ رومی کا معترف نہ ہو۔
غرضکہ "مغربی دیوان" کی وساطت سے گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح

پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے شعرا پلاٹن، روکرٹ اور بودن سٹاٹ نے اس
مشرقی تحریک کو جس کا آغاز گوئٹے کے دیوان سے ہوا تکمیل تک پہنچایا۔ پلاٹن نے
ادبی اغراض کے لئے فارسی زبان سیکھی۔ قافیہ ردیف بلکہ ایرانی عروض کے قواعد
کی پابندی سے غزلیں لکھیں۔ رباعیاں لکھیں اور نپولین پر ایک قصیدہ بھی لکھا۔ گوئٹے
کی طرح فارسی استعارات مثلاً "عروسِ گل" "زلفِ مشکیں" "لالہ عذار" کو یہ بھی
بے تکلف استعمال کرتا ہے۔ اور تغزلِ محض کا دلدادہ ہے۔ روکرٹ عربی فارسی
سنسکرت تینوں مشرقی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کی نگاہ میں فلسفہ رومی کی بڑی وقعت
تھی اور اس کی "غزلیات" زیادہ تر مولنا روم ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں چونکہ السنۂ مشرقیہ
کا عالم تھا اس لئے اس کی مشرقی نظم کے مواخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی
بہارستان جامی۔ کلیاتِ امیر خسرو۔ گلستانِ سعدی۔ مناقب العارفین۔ عیارِ دانش
منطق الطیر۔ ہفت قلزم وغیرہ جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں رول لیتا
ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے کی ایرانی روایات و حکایات سے بھی اپنے کلام کو زینت

دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کئے ہیں۔ مثلاً
محمود غزنوی کی موت۔ محمود کا حملہ سومنات۔ سلطانہ رضیہ وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد
مشرقی رنگ کا سب سے زیادہ مقبول شاعر بوڈن سٹاٹ ہے جس نے اپنی نظموں کو
مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی
مدت میں ۱۴۰ دفعہ شائع ہوا۔ اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ
جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔
بوڈن سٹاٹ نے امیر معزی اور انوری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں مَیں نے گوئٹے کے مشہور معاصر ہائنا کا ذکر ارادةً نہیں کیا۔ اگرچہ
اس کے مجموعۂ اشعار موسوم بہ "اشعار تازہ" میں عجمی اثر نمایاں ہے اور محمود و فردوسی کے
قصے کو بھی اس نے نہایت خوبی سے نظم کیا ہے تاہم بحیثیت مجموعی مشرقی تحریک سے
اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی رائے میں گوئٹے کے "مغربی دیوان" کے سوائے
جرمن شعرا کا مشرقی کلام کوئی بڑی وقعت نہیں رکھتا لیکن عجمی جادو کی گرفت سے

جرمنی کے اس آزادہ رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالمِ خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلا وطن کر دیا گیا ہو لکھتا ہے:۔

"اے فردوسی! اے جامی! اے سعدی! تمہارا بھائی زندانِ غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے۔"

کم درجے کے شعرا میں خواجہ حافظ کا مقلد ڈومر۔ ہرمن سٹال۔ لوشکے۔ سٹائگ لٹز لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا اس کی نظمیں قصہ انصاف محمود غزنوی اور قصۂ ہاروت و ماروت مشہور ہیں اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعرا کا تفصیلی مقابلہ کرکے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کیلئے نہ وقت میسّر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں

تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کردے۔

"پیامِ مشرق" کے متعلق جو "مغربی دیوان" سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ناظرین خود اندازہ کر لیں گے۔کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملّی حقائق کو پیشِ نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔اس سے سو سال پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوام عالم کا باطنی اضطراب جسکی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس لئے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدّنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پُرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگساں کے تصانیف میں ملتا ہے۔یورپ نے

اپنے علمی اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں اور سائنر ینیٹی (سابق وزیر اعظم اطالیہ) سے انحطاطِ فرنگ کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے نامساعد ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کی طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنے فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو۔ قابلِ احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیحضرت فرمانروائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے

کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور افغانوں کی تربیت انہیں خاص طور پر مدِّنظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالےٰ اُن کا حامی و ناصر ہو۔

آخر میں مَیں اپنے دوست چوہدری محمد حسین صاحب ایم۔ اے کا سپاس گذار ہوں کہ اُنھوں نے "پیامِ مشرق" کے مسودات کو اشاعت کے لئے مُرتّب کیا۔ اگر وہ یہ زحمت گوارا نہ کرتے تو غالباً اس مجموعے کی اشاعت میں بہت تعویق ہوتی۔

اقبال

پیش کش

بحضورِ اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان
فرمانروائے دولتِ مستقلۂ افغانستان
خلد اللہ ملکہٗ و اجلالہٗ

اے امیرِ کامگار اے شہریار — نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار

چشمِ تو از پردگیہا محرم است — دل میانِ سینہ ات جامِ جم است

عزمِ تو پایندہ چوں کہسارِ تو — حزمِ تو آساں کند دشوارِ تو

ہمتِ تو چوں خیالِ من بلند — ملتِ صد پارہ را شیرازہ بند

ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے ۔ لعل و یاقوتِ گراں داری بسے

اے امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر

ہدیۂ از بینوائے ہم پذیر!

تا مرا رمزِ حیات آموختند ۔ آتشے در پیکرم افروختند

یک نوائے سینہ تاب آوردہ ام ۔ عشق را عہدِ شباب آوردہ ام

پیرِ مغرب شاعرِ المانوی (۱) ۔ آں قتیلِ شیوہ ہائے پہلوی

بست نقشِ شاہدانِ شوخ و شنگ ۔ داد مشرق را سلامے از فرنگ

در جوابش گفتہ ام پیغامِ شرق ۔ ماہ تابے ریختم بر شامِ شرق

تا شناسائے خودم خود بیں نیم ۔ با تو گویم او کہ بود و من کیم

او ز افرنگی جواناں مثلِ برق ۔ شعلۂ من از دمِ پیرانِ شرق

او چمن زادے چمن پروردۂ ۔ من دمیدم از زمینِ مردۂ

او چو بلبل در چمن فردوسِ گوش ۔ من بصحرا چوں جرس گرمِ خروش

(۱) شاعرِ المانوی ۔ گوئٹے

ہر دو دانائے ضمیرِ کائنات	ہر دو پیغامِ حیات اندر ممات
ہر دو خنجر صبح خند، آئینہ فام	او برہنہ من ہنوز اندر نیام
ہر دو گوہر ارجمند و تاب دار	زادۂ دریائے ناپیدا کنار
او ز شوخی در تہِ قلزم تپید	تا گریبانِ صدف را بر درید
من بآغوشِ صدف تابم ہنوز	در ضمیرِ بحر نایابم ہنوز
آشنائے من ز من بیگانہ رفت	از خمستانم تہی پیمانہ رفت
من شکوہِ خسروی او را دہم	تختِ کسرےٰ زیرِ پائے او نہم
او حدیثِ دلبری خواہد ز من	رنگ و آبِ شاعری خواہد ز من
کم نظر بیتابیِ جانم ندید	آشکارم دید و پنہانم ندید
فطرتِ من عشق را در بر گرفت	صحبتِ خاشاک و آتش در گرفت
حق رموزِ ملک و دیں بر من کشود	نقشِ غیر از پردۂ چشمم ربود
برگِ گل رنگیں ز مضمونِ من است	مصرعِ من قطرۂ خونِ من است

تا نہ پنداری سخن دیوانگیست | در کمالِ این جنوں فرزانگیست
از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند | در دیارِ ہند خوارم کردہ اند
لالہ و گل از نوایم بے نصیب | طائرم در گلستانِ خود غریب!

بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است

دیدۂ اے خسروِ کیواں جناب | آفتابِ ما توارت بالحجاب
ابطحی در دشتِ خویش از راہ رفت | از دمِ او سوزِ الا اللہ رفت
مصریاں افتادہ در گردابِ نیل | سست رگ تورانیانِ ژندہ پیل
آلِ عثماں در شکنجِ روزگار | مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار
عشق را آئینِ سلمانی نماند | خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند
سوز و سازِ زندگی رفت از گلش | آں کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلمِ ہندی شکم را بندۂ | خود فروشے دل ز دیں برکندۂ

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبی نماند

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد
از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد

تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ
چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن
در رگِ او خونِ شیراں موجزن

زیرک و روئیں تن و روشن جبیں
چشمِ او چوں جرّہ بازاں تیز بیں

قسمتِ خود از جہاں نایافتہ
کوکبِ تقدیرِ او ناتافتہ

در قہستاں خلوتے ورزیدۂ
رستخیزِ زندگی نادیدۂ

جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور
کوش در تہذیبِ افغانِ غیور

تا ز صدّیقانِ ایں امت شوی
بہرِ دیں سرمایۂ قوّت شوی

زندگی جہد است و استحقاق نیست
جز بعلمِ انفس و آفاق نیست

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر ‏ ‏ ‏ ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

سیّدِ کُل، صاحبِ اُم الکتاب ‏ ‏ ‏ پردگیہا بر ضمیرش بیحجاب

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید ‏ ‏ ‏ رَبِّ زِدْنی از زبانِ او چکید

علمِ اشیا علّم الاسماستے ‏ ‏ ‏ ہم عصا و ہم ید بیضاستے

علمِ اشیا داد مغرب را فروغ ‏ ‏ ‏ حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ

جانِ ما را لذّتِ احساس نیست ‏ ‏ ‏ خاکِ رہ جز ریزۂ الماس نیست

علم و دولت نظمِ کارِ ملت است ‏ ‏ ‏ علم و دولت اعتبارِ ملت است

آں یکے از سینۂ احرار گیر ‏ ‏ ‏ واں دگر از سینۂ کہسار گیر

دشنہ زن در پیکرِ ایں کائنات ‏ ‏ ‏ در شکم دارد گہر چوں سومنات

لعلِ ناب اندر بدخشانِ توہست

برقِ سینا در قہستانِ توہست

کشورِ محکم اساسے بایدت؟ ‏ ‏ ‏ دیدۂ مردم شناسے بایدت

اے بسا آدم کہ ابلیسی کند — اے بسا شیطاں کہ ادریسی کند

رنگِ او نیرنگ و بودِ او نمود — اندرونِ او چو داغِ لالہ دود

پاکباز و کعبتینِ او دغل — ریمن و غدر و نفاق اندر بغل

درنگر اے خسروِ صاحب نظر — نیست ہر سنگے کہ می تابد گہر

مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد — سرِّ مرگ و زندگی برما کشاد

"ہر ہلاکِ امتِ پیشیں کہ بود

زانکہ بر جندل[1] گماں بردند عود" (رومی)

سروری در دینِ ما خدمت گری است — عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است

در ہجومِ کارہائے ملک و دیں — با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں

ہر کہ یک دم در کمینِ خود نشست — ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست

در قبائے خسروی درویش زی — دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

قایدِ ملت شہنشاہِ مراد — تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد

[1] جندل ـ پتھر

ہم فقیرے ہم شہِ گردوں فرے — اردشیرے با روانِ بوذرے

غرق بودش در زرہ بالا و دوش — در میانِ سینہ دل موئینہ پوش

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت فقر را افزودہ اند — مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت — دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت

ہر کہ عشقِ مصطفٰے ﷺ سامانِ اوست — بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب — ذرّۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب

زانکہ ملّت را حیات از عشقِ اوست — برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

جلوۂ بے پردۂ او وانمود — جوہرِ پنہاں کہ بود اندر وجود

روح را جز عشقِ او آرام نیست — عشقِ او روزیست کو را شام نیست

خیز و اندر گردش آور جامِ عشق

در قہستاں تازہ کن پیغامِ عشق

اقبال

لالۂ طور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لالۂ طور
شہید ناز او بزم وجود است
نیاز اندر نہاد ہست و بود است
نمی بینی کہ از مہر فلک تاب
بہ سیمای سحر داغ سجود است

۴

عقابان را بہای کم نہد عشق
تذروان را بہ بازان دہد عشق
نگہ دارد دل ما تہ پیشین را
ولیکن از نشیمن بر جہد عشق

۵

بہ برگ لالہ رنگ آمیزیِ عشق
بجان ما بلا انگیزیِ عشق
اگر این خاکدان را وا شگافی
درونش بنگری خونریزیِ عشق

۵

جہان مشت گل و دل حاصل اوست
ہمین یک قطرہ خون مشکل اوست
نگاہ ما دو بین افتاد ورنہ
جہان ہر کسے اندر دل اوست

۶

سحر می گفت بلبل باغبان را
درین گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری می رسد خار بیابان
ولے گل چون جوان گردد بمیرد

۱۰

جہان با آنکہ نابود است بود پیش
زبان تو امر حق را باید بود پیش
سخن را خود آن کن طلب حق و عزیز
دل با زینت باید و از بود پیش

۱۱

ز آتش عشق اسان از بستان آدم
سخن پیدا ز وجود از بستان آدم
جہان آو فرید این جہت بساخت
ہمہ با ایزد از بستان آدم

۱۲

ز من انجام و ز آغاز مپرسید
ما همه رازیم جہان راز مپرسید
گر از روئے حقیقت پردہ دیگر
ما ہمان یک دو گہر را ز مپرسید

۱۳

دلا نارائی پروانہ تا کے
نگیری شیوۂ مردانہ تا کے
یکے خود را بسوز خویشتن سوز
طوافِ آتشِ بیگانہ تا کے

۲۰

چه لذت یا رب اندر هست و بود است
دل هر ذره در جوش نمود است
شگافد شاخ را چون غنچهٔ گل
تبسم ریز از ذوق وجود است

۲۱

شنیدم در عدم پروانه می‌گفت
دمی از زندگی تاب و تبم بخش
پریشان کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش

۴۲

مسلمانان مرا حرفیست در دل
که روشن تر ز جان جبرئیل است
نهان دارم ز آزر زادگان آن
که این سرّی ز اسرار خلیل است

۴۳

بهیچ پیچ ره بسپاری ای دل ای دل
مرا تنها گذاری ای دل ای دل
دمادم آرزوها آفرینی
که کاری نه داری ای دل ای دل

٢٤
بسے در سینہ ام تخم کشائی
ولے از خویشتن نا آشنائی
یکے بر خود کشا چون دانہ چشم
کہ از زیر زمین نخلے برآئی
٢٥
سحر در شاخسار بوستانے
چہ خوش می گفت مرغ نغمہ خوانے
برآور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے نالہ آہے فغانے

۳۶
دمادم نقش‌های تازه ریزد
بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویر دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست
۳۷
چو ذوق نغمه‌ام در جلوت آرد
قیامت‌ها کنم در محفل خویش
چو می‌خواهم دمی خلوت بگیرم
جهان را گم کنم اندر دل خویش

۳۸
چه می‌پرسی میان سینه دل چیست
خرد چون سوز پیدا کرد دل شد
دل از ذوق تپش دل بود لیکن
چو یک دم از تپش افتاد گل شد
۳۹
خرد گفت او بچشم اندر نگنجد
نگاه شوق در امید و بیم است
نمی‌گردد کهن افسانهٔ طور
که در هر دل تمنای کلیم است

[illegible] درین بستانسرا دل
ز نسرین و سمن آزاده رفتم
چو باد صبح گردیدم دمی چند
گلان را آب و رنگی داده رفتم

[illegible]
چرا این کشت گلی پیدا نکردی
ز علم غیر نتوان جست سبیل راست
تو ای غافل دلی پیدا نکردی

۲۴

خرد زنجیری امروز و دوش است
پرستار بتان چشم و گوش است
صنم در آستین پوشیده دارد
برهمن زاده‌ای زنار پوش است

۲۵

خرد اندر سر هر کس نهادند
تهی چون دیگران از خاک و خون است
ولی این کس چو من بیدار اند
نصیب خاک و خون بیگانگان است

۳۶

گذر از جلوه برقی بر سر طور
که جان تو ز خود نا محرمی هست
قدم در جستجوی آدمی زن
خدا هم در تلاش آدمی هست

۳۷

بگو جبریل را از من پیامی
مرا آن پیکر نوری ندادند
ولی تاب و تب ما خاکیان بین
به نوری ذوق مهجوری ندادند

۵۸

چو تاب از خود بگیرد قطرهٔ آب
میانِ صد گهر یکدانه گردد
به پیش بینوایان چنان زی
که گلشن از خلوت‌خانه گردد

۵۹

من از شورِ ازل در پیچ و تابم
فرو از هر ابری معنی محال است
جهان در دشت خاکستر نشین دل
که دل دشتِ غزالانِ خیال است

۶۰

میارا بزم بر ساحل که آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز
حیات جاودان اندر ستیز است

۶۱

سراپا معنی سربسته ام من
نگاه حرف بافان برنتابم
نه پیدایم توان گفتن نه پنهان
سرِ کے زین امروز در نفس تابم

۶۲
مگو از مدعای زندگانی
ترا بر شیوه‌های او نگه نیست
من از ذوق سفر آنگونه مستم
که منزل پیش من جز سنگ ره نیست
۶۳
اگر کردی نگه بر پاره‌ی سنگ
ز فیض آرزوی تو گهر شد
بنرخ خود را مسنج ای بنده‌ی زر
که زر از گوشه‌ی چشم تو زر شد

۲

خیال او درون دیده خوشتر
غمش از دولت پاینده خوشتر
مرا صاحبدلی این نکته آموخت
ز منزل جادهٔ پیچیده خوشتر

۳

دماغم کافر زنّار دار است
بتان را بنده و پروردگار است
دلم را بین که نالد از غم عشق
ترا با دین و آئینم چه کار است

۴۴
صنوبر بندهٔ آزادهٔ او
فروغ روی گل از بادهٔ او
ہمیش آفتاب و ماہ و انجم
دل آدم در تک شادهٔ او
۴۵
ز نامم تا بہ انجم صید جہاں بود
خود هر جا که پر زد آسمان بود
ولیکن چون بخود نگریستم من
کران بیکران در من نہان بود

۶۶

بپای خود مزن زنجیر تقدیر
تہ این گنبد گردان رہی ہست
اگر باور نداری خیز و دریاب
کہ چون پا وا کنی جولانگہی ہست

۶۷

دل من در طلسم خود اسیر است
جہان از پرتو او تابگیر است
مپرس از صبح و شام زآفتابی
کہ پیش روزگار من پریر است

۸۰
۸۱

۸۴

نهان در سینهٔ ما عالمی هست
بخاک ما دلی، در دل غمی هست
از آن صهبا که جان ما برافروخت
هنوز اندر سبوی ما نمی هست

۸۵

دل من ای دل من ای دل من!!!
یم من، کشتی من، ساحل من
چو شبنم بر سر خاکم چکیدی
و یا چون غنچه رستی از گل من

۸۸
چه پرسی از کجایم چیستم من
بخود پیچیده ام تا زیستم من
درین دریا چو موج بیقرارم
اگر بر خود نه پیچم نیستم من
۸۹
بچندین جلوه در زیر نقابی
نگاه شوق ما را بر نتابی
دوی در خون ما چون مستی می
ولی بیگانه خوئی دیریابی

۹۲
سخن درد و غم آرد درد و غم به
مرا این ناله‌های دمبدم به
سکندر را ز عیش من خبر نیست
نوائے دلکشے از ملک جم به
۹۳
نه من بر مرکب بختی سوارم
نه از وابستگان شهریارم
مرا این همنشین دولت همین بس
چو کاوم سینه را لعلی برآرم

(۱) ضرغام - شیر (۲) رنگ - گوسفند

۹۸
تو گوئی طائر ما زیر دام است
پریدن بر پر و بالش حرام است
ز تن برجسته تر شد معنی جان
فغان خنجر ما از نیام است
۹۹
چسان زاید تمنّا در دل ما؟
چسان سوزد چراغ محفل ما؟
بچشم ما که می بیند؟ چه بیند؟
چسان گنجید دل اندر گل ما؟

انگارہ نقش ناتمام خواہ سایہ دار ہو خواہ بے سایہ۔

١٠٦

میان آب و گل خلوت گزیدم
ز افلاطون و فارابی بریدم
نکردم از کسی دریوزهٔ چشم
جهان را جز بچشم خود ندیدم

١٠٧

ز آغاز خودی کس را خبر نیست
خودی در حلقهٔ شام و سحر نیست
ز خضر این نکتهٔ نادر شنیدم
که بحر از موج خود دیرینه‌تر نیست

١٠٨
دلا رمز حیات از غنچہ دریاب
حقیقت در مجازش بے حجاب است
ز خاک تیرہ می روید و لیکن
نگاہش بر شعاع آفتاب است
١٠٩
فروغ او بہ بزم باغ و راغ است
گل از صہبائے او روشن ایاغ است
شب کس در جہان تاریک نگذاشت
کہ در ہر دل ز داغ او چراغ است

۱۱۲

دل من رازدانِ جسم و جان است
نپنداری اجل بر من گران است
چه غم گر یک جهان گم شد ز چشمم
هنوز اندر ضمیرم صد جهان است

۱۱۳

گل رعنا چو من در مشکلی هست
گرفتار طلسم محفلی هست
زبان برگ او گویا نگردد
ولی در سینهٔ چاکش دلی هست

۱۱۴
مزاج لاله خود رو شناسم
بشاخ اندر گلان را بو شناسم
ازان واردم مرغ چمن دوست
مقام نغمه‌های او شناسم
۱۱۵
جهان یک نغمه زار آرزوی
بم و زیرش ز تار آرزوی
بچشم هر چه هست و بود و باشد
دمی از روزگار آرزوی

١٨

من ازین بیش ندارم ای واعظ شہر
گر ز سجادہ بپیچیم عنان خداست
بادہ ناخوردہ که خود صوفی بکیسی کرد
تا ز سجادہ از اقبال خداست

١٩

ملکیان سحر چو صبا بشکست
شمیم سوسنات از ابرو بربست
حباب از غم و شیر وندان آمد بنشست
بشعر از ومرا لقبا آمد بربست

۱۲۰
جهان‌ها روید از مشت گل من
بیا سرمایه گیر از حاصل من
غلط کردی ره سر منزل دوست
دمی گم شو به صحرای دل من
۱۲۱
هزاران سال با فطرت نشستم
به او پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است
تراشیدم پرستیدم شکستم

۱۲۲
بہ پیمانِ ازل پی می کشودم
ز بند آب و گل بیگانہ بودم
بچشم تو بہای من بلند است
کہ آوردی بہ بازار وجودم
۱۲۳
درونم جلوۂ افکار این چیست!
برون من ہمہ اسرار این چیست!
بفرما ای حکیم نکتہ پرداز
بدن آسودہ جان سیّار این چیست!

۱۲۶

چه غم داری حیاتِ دل ز غم نیست
که دل در حلقهٔ بود و عدم نیست
مخور ای کم‌نظر اندیشهٔ مرگ
اگر دم رفت دل باقیست غم نیست

۱۲۷

تو ای دل تا نشینی در کنارم
ز تشریف شهان خوشتر گلیمم
درون سینه‌ام باشی پس از مرگ
من از دست تو در امّید و بیمم

۱۲۸

ز من گو صوفیان با صفا را
خدا جویان معنی آشنا را
غلام همت آن خود پرستم
که با نور خودی بیند خدا را

۱۲۹

چو نرگس این چمن نادیده مگذر
چو بو در غنچه پیچیده مگذر
ترا حق دیدهٔ روشن تری داد
خرد بیدار و دل خوابیده مگذر

۱۳۰

تراشیدم صنم بر صورت خویش
بشکل خود خدا را نقش بستم
مرا از خود برون رفتن محال است
به هر رنگی که هستم خود پرستم

۱۳۱

به شبنم غنچهٔ نورسته می‌گفت
نگاه ما چمن زادان رسا نیست
در آن پهنا که صد خورشید دارد
تمیز پست و بالا هست یا نیست؟

۱۳۲
زمین را از دوران آسمان گیر
مکان را پیچ در لامکان گیر
پی هر ذره سوی منزل دوست
نشان راه از ریگ روان گیر
۱۳۳
ضمیر کن فکان غیر از تو کس نیست
نشان بے نشان غیر از تو کس نیست
قدم بیباک تر نه در ره زیست
بپیدائی نہانی جہان غیر از تو کس نیست

۱۳۴
زمین خاک در میخانهٔ ما
فلک یک گردش پیمانهٔ ما
حدیث سوز و ساز ما دراز است
جهان دیباچهٔ افسانهٔ ما
۱۳۵
سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
خراج شهر و گنج کان و یم رفت
امم را از شهان پاینده تر دان
نمی بینی که ایران ماند و جم رفت؟

۱۳۶

ربودی دل ز چاک سینهٔ من
بغارت برده‌ای گنجینهٔ من
متاع آرزویم با که دادی؟
چه کردی با غم دیرینهٔ من؟

۱۳۷

ز پیش من جهان رنگ و بو رفت
زمین و آسمان و چارسو رفت
تو رفتی ای دل از هنگامهٔ او؟
و یا از خلوت آباد تو او رفت؟

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی (عرفی)

۱۴۲
ز جان بیقرار آتش گشادم
دلے در سینهٔ مشرق نهادم
گل او شعله زار از نالهٔ من
چو برق اندر نهاد او فتادم
۱۴۳
مرا مثل نسیم آواره کردند
دلم مانند گل صد پاره کردند
نگاهم را که پیدا هم نبیند
شهید لذّت نظّاره کردند

۱۲۸
گو کار جهان نااستوار است
هر آن ما ابد را پرده دار است
بگیر امروز را محکم که فردا
هنوز اندر ضمیر روزگار است
۱۲۹
رمیدی از خداوندان افرنگ
ولے در گرد گنبد سجده پاشی
به لالائی چنان عادت گرفتی
ز سنگ راه مولائے تراشی

۱۵۰
قبای زندگانی چاک تا کی
چو موران آشیان در خاک تا کی
به پرواز آ و شاهینی بیاموز
تلاش دانه در خاشاک تا کی
۱۵۱
میان لاله و گل آشیان گیر
ز مرغ نغمه خوان درس فغان گیر
اگر از ناتوانی گشته پیری
نصیب از شباب این جهان گیر

گلِ دورو۔ ایک قسم کا پھول جو اندر سے سرخ اور باہر سے زرد ہوتا ہے۔

۱۵۶
تو می گوئی که من هستم خدا نیست
جهان آب و گل را انتها نیست
هنوز این راز بر من ناگشود است
که چشم آنچه بیند هست یا نیست
۱۵۷
بساطم خالی از مرغ کباب است
نه در جامم مے آئینه تاب است
غزال من خورد برگ گیاهے
ولے خون دل او مشک ناب است

سر کردن ـ معاش و موافقت کردن

۱۶۲

مرا ذوق سخن خون در جگر کرد
غبار راه را مشت شرر کرد
بگفتار محبت لب گشودم
بیان این راز را پیچیده‌تر کرد

۱۶۳

گذشت از عقل و ذوق و فنون کرد
دل خود کامه را از عشق خون کرد
ز تاب آن فکر پیچاپیچی
دران با خبران کرد
حکیم

افکار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افکار

گلِ نخستین

هنوز هم نفسے در چمن نمی بینم
بهار می رسد و من گلِ نخستینم
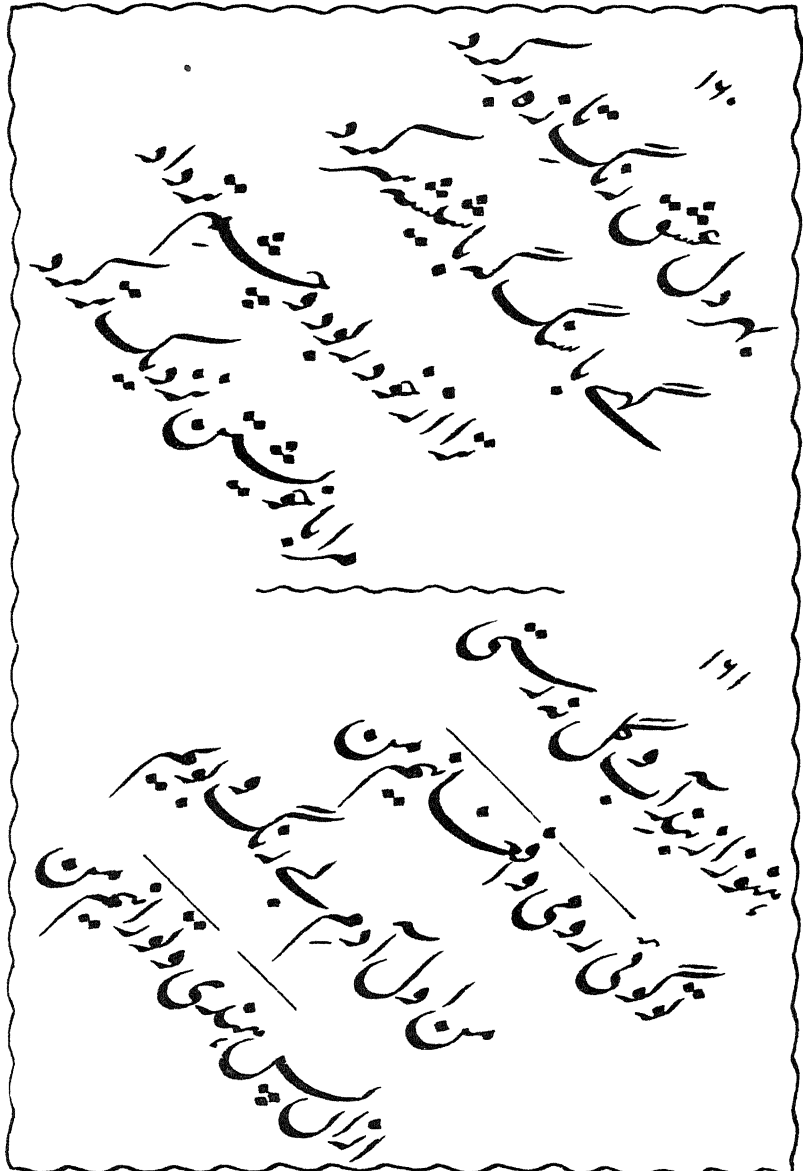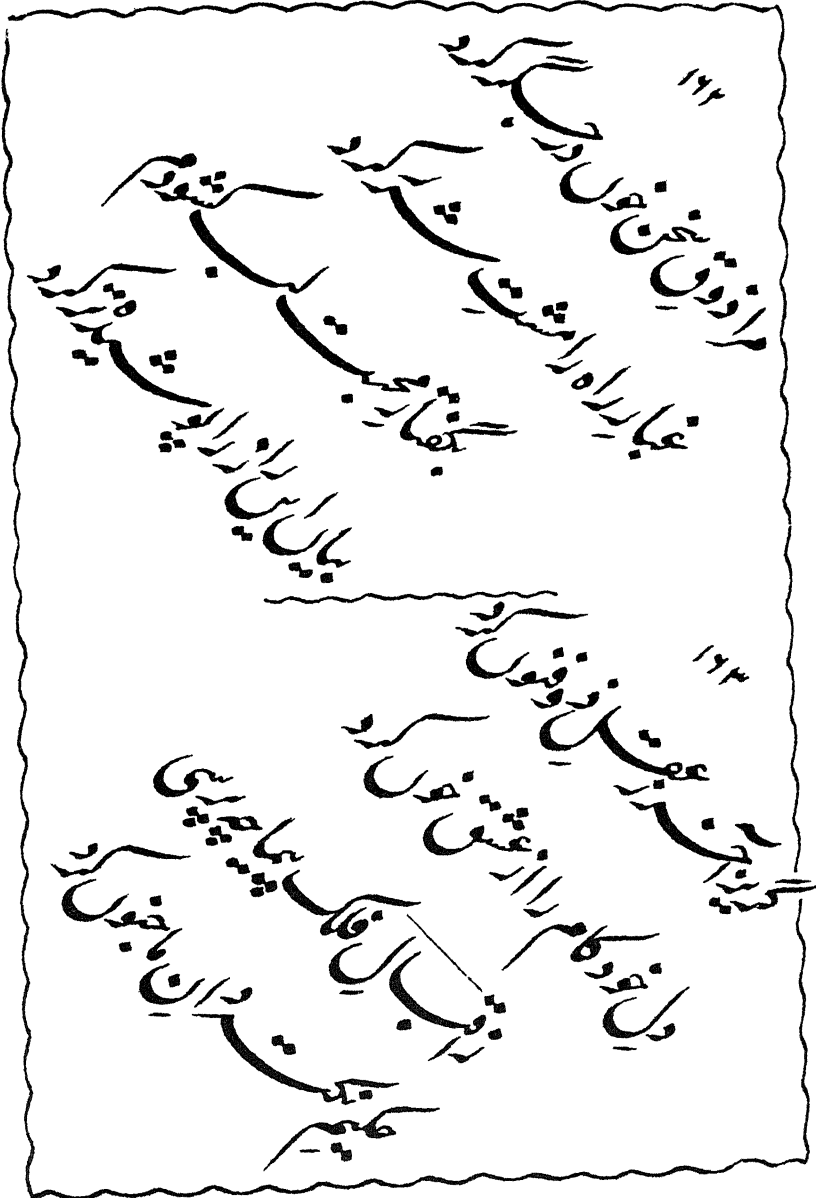
به آبجو نگرم خویش را نظاره کنم
باین بهانه مگر روئے دیگرے بینم

بخامهٔ که خطِ زندگی رقم زده است
نوشته اند پیامے به برگِ رنگینم

دلم به دوش و نگاهم به عبرتِ امروز
شهیدِ جلوهٔ فردا و تازه آئینم

ز تیره خاک دمیدم قبائے گل بستم
و گرنه خستهٔ واماندهٔ ز پروینم

دعا

اے کہ از خمخانۂ فطرت بجامم ریختی زآتشِ صہبائے من بگداز مینائے مرا

عشق را سرمایہ ساز از گرمیٔ فریادِ من شعلۂ بیباک گردان خاکِ سینائے مرا

چوں بمیرم از غبارِ من چراغِ لالہ ساز

تازہ کن داغِ مرا، سوزاں بصحرائے مرا

ہلالِ عید

نتواں ز چشمِ شوق رمید اے ہلالِ عید از صد نگہ براہِ تو دامے نہادہ اند

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

تسخیرِ فطرت

(۱) میلادِ آدم

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد | حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور | خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل | حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوشِ حیات | چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

(۲) انکارِ ابلیس

نوریٔ ناداں نیم، سجدہ بآدم برم! | او بہ نہاد است خاک، من بہ نژاد آذرم!
می تپد از سوزِ من، خونِ رگِ کائنات | من بہ دوِ صرصرم، من بہ غوِ تندرم

رابطۂ سالمات، ضابطۂ اُمّہات
سوزم و سازے دہم، آتشِ میناگرم

ساختۂ خویش را، در شکنم ریز ریز
تا ز غبارِ کہن، پیکرِ نو آورم

از رَوِ من موجۂ، چرخِ سکوں ناپذیر
نقش گرِ روزگار، تابِ تبِ جوہرم

پیکرِ انجم ز تو، گردشِ انجم ز من
جاں بجہاں اندرم، زندگیٔ مضمرم

تو بہ بدن جاں دہی، شور بجاں من دہم
تو بہ سکوں رہ زنی، من بہ تپش رہبرم

من ز تُنک مایگاں گدیہ نکردم سجود
قاہرِ بے دوزخم، داورِ بے محشرم

آدمِ خاکی نہاد، دوں نظر و کم سواد
زاد در آغوشِ تو پیر شود در برم

(۳) اغوائے آدم

زندگیٔ سوز و ساز، بہ ز سکونِ دوام
فاختہ شاہیں شود، از تپشِ زیرِ دام

ہیچ نیاید ز تو غیرِ سجودِ نیاز
خیز چو سروِ بلند، اے بعمل نرم گام

کوثر و تسنیم برد، از تو نشاطِ عمل
گیر ز مینائے تاک بادۂ آئینہ فام

زشت و نکو زادۂ وہمِ خداوندِ تست | لذتِ کردار گیر، گام بنہ جز بہ کام
خیز کہ بنمائمت مملکتِ تازۂ | چشمِ جہاں بیں کشا، بہرِ تماشا خرام
قطرۂ بے مایۂ، گوہرِ تابندہ شو | از سرِ گردوں بیفت، گیر بدریا مقام
تیغِ درخشندۂ، جانِ جہانے گسل | جوہرِ خود را نما، آئے بروں از نیام
بازوئے شاہیں کشا، خونِ تدرواں بریز | مرگ بود باز را، زیستن اندر کنام

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل

چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام

(۴)۔ آدم از بہشت بیرون آمدہ می گوید

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن

دل کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن

ز قفس درے کشادن بہ فضائے گلستانے

رہِ آسماں نوردن بہ ستارہ راز کردن

بگدازہائے پنہاں، بہ نیاز ہائے پیدا
نظرے اداشناسے بحریم ناز کردن
گہے جز یکی ندیدن بہ ہجومِ لالہ زارے
گہے خارِ نیش زن را ز گل امتیاز کردن
ہمہ سوزِ ناتمامم، ہمہ دردِ آرزویم
بگماں دہم یقیں را کہ شہیدِ جستجویم

(۵)۔ صبحِ قیامت

(آدم در حضورِ باری)

اے کہ ز خورشیدِ تو کوکبِ جاں مستنیر
از دلم افروختی شمعِ جہانِ ضریر

ریخت ہنرہائے من بحر بیک نائے آب
تیشۂ من آورد از جگرِ خارہ شیر

زہرہ گرفتارِ من، ماہ پرستارِ من
عقلِ کلاں کارِ من بہرِ جہاں دارو گیر

من بہ زمیں درشدم، من بفلک برشدم
بستۂ جادوئے من ذرّہ و مہرِ منیر

ضریر۔ نابینا

گرچہ فسونش مرا برد ز راہِ صواب | از غلطم در گذر عذرِ گناہم پذیر
رام نگردد جہاں تا نہ فسونش خوریم | جز بکمندِ نیاز ناز نہ گردد اسیر
تا شود از آہِ گرم ایں بتِ سنگیں گداز | بستنِ زنّار را او بود مرا ناگزیر

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

بوئے گل

حورے بکنجِ گلشنِ جنّت تپید و گفت | مارا کسے ز آنسوئے گردوں خبر نداد
ناید بفہمِ من سحر و شام و روز و شب | عقلم ربود ایں کہ بگویند مُرد و زاد
گردید موجِ نکہتے از شاخِ گل دمید | پا اینچنیں بعالمِ فرداودی نہاد
واکرد چشم و غنچہ شد و خندہ زد دمے | گل گشت و برگ برگ شد و بر زمیں فتاد

زاں نازنیں کہ بندِ زپائش کشادہ اند
آہے است یادگار کہ بونامِ دادہ اند

نوائے وقت

خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم
در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم، در کاخ و شبستانم
من دردم و درمانم، من عیشِ فراوانم
من تیغِ جہاں سوزم، من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری، مشتے ز غبارِ من
ہنگامۂ افرنگی، یک جستہ شرارِ من
انسان و جہانِ او، از نقش و نگارِ من
خونِ جگرِ مرداں، سامانِ بہارِ من
من آتشِ سوزانم، من روضۂ رضوانم

آسودہ و سیارم، ایں طرفہ تماشا بیں
در بادۂ امروزم، کیفیتِ فردا بیں

پنہاں بہ ضمیرِ من، صد عالمِ رعنا بیں   صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں

من کسوتِ انسانم، پیراہنِ یزدانم

تقدیر فسونِ من، تدبیر فسونِ تو   تو عاشقِ لیلائے، من دشتِ جنونِ تو

چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو   تو رازِ درونِ من، من رازِ درونِ تو

از جانِ تو پیدایم، در جانِ تو پنہانم

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل   تو سازِ صد آہنگے، تو گرمیِ ایں محفل

آوارۂ آب و گِل! دریاب مقامِ دل   گنجیدہ بہ جامے بیں ایں قلزمِ بے ساحل

از موجِ بلندِ تو سر بر زدہ طوفانم

(۱)

خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار

مستِ ترنّمِ ہزار

طوطی و درّاج و سار

بر طرفِ جوئبار

کشتِ گُل و لالہ زار

چشمِ تماشا بیار

خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار

(۲)

خیز کہ در باغ و راغ، قافلۂ گل رسید

بادِ بہاراں وزید

مرغ نوا آفرید

لالہ گریباں درید

حسن گُلِ تازہ چید

عشق غمِ نَو خرید

خیز کہ در باغ و راغ، قافلۂ گُل رسید

(۳)

بلبلگاں در صفیر، صلصلگاں در خروش

خونِ چمن گرم جوش

اے کہ نشینی خموش

در شکن آئینِ ہوش

بادۂ معنی بنوش

نغمہ سرا، گُل بہ پوش

بلبلگاں در صفیر، صلصلگاں در خروش

(۴)

حجرہ نشینی گذار، گوشۂ صحرا گزیں

بر لبِ جوئے نشیں

آبِ رواں را بہ بیں

نرگسِ ناز آفریں

لختِ دلِ فرودیں

بوسہ زنش بر جبیں

حجرہ نشینی گذار، گوشۂ صحرا گزیں

(۵)

دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بے خبر

لالہ کمر در کمر

نیمۂ آتش بہ بر

می چکدش بر جگر

شبنمِ اشکِ سحر

در شفق انجم نگر

دیدۂ معنی کشا، اے زعیانِ بے خبر

(۶)

خاکِ چمن وانمود، رازِ دلِ کائنات

بود و نبودِ صفات

جلوہ گریہائے ذات

آنچہ تو دانی حیات

آنچہ تو خوانی ممات

ہیچ ندارد ثبات

خاکِ چمن وانمود، رازِ دلِ کائنات

حیاتِ جاوید

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادہ ناخوردہ در رگِ تاک است

چمن خوش است ولیکن چو غنچہ نتواں زیست
قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است

اگر ز رمزِ حیات آگہی مجوے و مگیر
دلے کہ از خلشِ خارِ آرزو پاک است

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

افکارِ انجم

(۱)

شنیدم کوکبے با کوکبے گفت
کہ در بحریم و پیدا ساحلے نیست
سفر اندر سرشتِ ما نہادند
ولے ایں کارواں را منزلے نیست

(۲)

اگر انجم ہمانستے کہ بود است
ازیں دیرینہ تابیہا چہ سود است
گرفتارِ کمندِ روزگاریم
خوشا آنکس کہ محرومِ وجود است

(۳)

کس ایں بارِ گراں را بر نتابد
زبودِ ما نبودِ جاوداں بہ
فضائے نیلگونم خوش نیاید
زاوجش پستیِ آں خاکداں بہ

(۴)

خنک انساں کہ جانش بیقرار است | سوارِ راہوارِ روزگار است
قبائے زندگی بر قامتش راست | کہ او نو آفرین و تازہ کار است

زندگی

شبے زار نالید ابرِ بہار | کہ ایں زندگی گریۂ پیہم است
درخشید برقِ سبک سیر و گفت | خطا کردۂ خندۂ یکدم است

ندانم بہ گلشن کہ بُرد ایں خبر
سخنہا میانِ گل و شبنم است

محاورہ علم و عشق

علم

نگاہم رازدارِ ہفت و چار است　　گرفتارِ کمندم روزگار است
جہان بینم بایں سو باز کردند (۱)　　مرا با آنسوئے گردوں چہ کار است
چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم
ببازار افگنم رازے کہ دارم

عشق

زافسونِ تو دریا شعلہ زار است　　ہوا آتش گداز و زہردار است
چو با من یار بودی، نور بودی　　بریدی از من و نورِ تو نار است
بخلوت خانۂ لاہوت زادی
ولیکن در نخِ شیطاں فتادی (۲)

(۱) جہاں بیں چشم ❊ (۲) نخ۔ ریسمان

بیا این خاکداں را گلستاں ساز — جہانِ پیر را دیگر جواں ساز

بیا یک ذرّہ از دردِ دلم گیر — تہِ گردوں بہشتِ جاوداں ساز

ز روزِ آفرینش ہمدم استیم

ہماں یک نغمہ را زیر و بم استیم

سرودِ انجم

ہستیٔ ما نظامِ ما

مستیٔ ما خرامِ ما

گردشِ بے مقامِ ما

زندگیٔ دوامِ ما

دورِ فلک بکامِ ما — مے نگریم و مے رویم

جلوہ گہِ شہود را
بتکدۂ نمود را
رزمِ نبود و بود را
کشمکشِ وجود را
عالمِ دیر و زود را مے نگریم و مے رویم
گرمیٔ کار زار ہا
خامیٔ پختہ کار ہا
تاج و سریر و دار ہا
خواریٔ شہریار ہا
بازیٔ روزگار ہا، مے نگریم و مے رویم
خواجہ ز سروری گذشت
بندہ ز چاکری گذشت

زاریِ و قیصری گذشت

دورِ سکندری گذشت

شیوهٔ بت گری گذشت، مے نگریم و مے رویم

خاک خموش و در خروش

سست نہاد و سخت کوش

گاہ بہ بزمِ ناؤ نوش

گاہ جنازهٔ بہ دوش

میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم

تو بہ طلسمِ چون و چند

عقلِ تو در کشاد و بند

مثلِ غزالہ در کمند

زار و زبون و دردمند

ما بہ نشیمنِ بلند، مے نگریم و مے رویم

پردہ چرا؟ ظہور چیست؟

اصلِ ظلام و نور چیست؟

چشم و دل و شعور چیست؟

فطرتِ ناصبور چیست؟

ایں ہمہ نزد و دور چیست؟ مے نگریم و مے رویم

بیشِ تو نزدِ ما کمے

سالِ تو پیشِ ما دمے

اے بکنارِ تو یمے

ساختہ بہ شبنمے

ما بتلاشِ عالمے، مے نگریم و مے رویم

نسیمِ صبح

ز روئے بحر و سرِ کوہسار می آیم
ولیک می نشناسم کہ از کجا خیزم
دہم بہ غنچہ زدہ طائرِ پیامِ فصلِ بہار
تہِ نشیمنِ او سیمِ یاسمن ریزم
بہ سبزہ غلطم و بر شاخِ لالہ می پیچم
کہ رنگ و بو ز مساماتِ او بر انگیزم
خمیدہ تا نشود شاخِ او ز گردشِ من
بہ برگِ لالہ و گل نرم نرمک آویزم
چو شاعرے ز غمِ عشق در خروش آید
نفس نفس بہ نواہائے او در آمیزم!

پند باز با بچۂ خویش

تو دانی کہ بازاں ز یک جوہر اند ‏ ‏ ‏ دلِ شیر دارند و مشتِ پر اند

نکوشیوہ و پختہ تدبیر باش ‏ ‏ ‏ جسور و غیور و کلاں گیر باش

میامیز با کبک و تورنگ و سار ‏ ‏ ‏ مگر ایں کہ داری ہوائے شکار

چہ قومے فرومایۂ ترسناک! ‏ ‏ ‏ کند پاک منقارِ خود را بخاک!

شد آں باشہ نخچیرِ نخچیرِ خویش ‏ ‏ ‏ کہ گیرد ز صیدِ خود آئین و کیش

بسا شکرہ افتادہ بر روئے خاک ‏ ‏ ‏ شد از صحبتِ دانہ چیناں ہلاک

نگہ دار خود را و خورسند زی ‏ ‏ ‏ دلیر و درشت و تنومند زی

تنِ نرم و نازک بہ تیہو گذار ‏ ‏ ‏ رگِ سخت چوں شاخِ آہو بیار

نصیبِ جہاں آنچہ از خرمی است ‏ ‏ ‏ ز سنگینی و محنت و پُردمی است

چہ خوش گفت فرزندِ خود را عقاب ‏ ‏ ‏ کہ یک قطرہ خوں بہتر از لعلِ ناب

مجو انجمن مثلِ آہو و میش | بخلوت گرا چوں نیاگانِ خویش
چنیں یاد دارم ز بازانِ پیر | نشیمن بشاخِ درختے مگیر
کنامے نگیریم در باغ و کشت | کہ داریم در کوہ و صحرا بہشت
ز روئے زمیں دانہ چیدن خطاست | کہ پہنائے گردوں خدادادِ ماست
نجیبے کہ پا بر زمیں سودہ است | ز مرغِ سرا سفلہ تر بودہ است
پئے شاہبازاں بساط است سنگ | کہ بر سنگ رفتن کند تیز چنگ
تو از زرد چشمانِ صحراستی | بگوہر چو سیمرغ والاستی
جوانے اصیلے کہ در روزِ جنگ | برد مردمک را ز چشمِ پلنگ
بہ پروازِ تو سطوتِ نوریاں | بہ رگہائے تو خونِ کافوریاں
تہِ چرخِ گردندۂ کوژ پشت | بخور آنچہ گیری ز نرم و درشت

کافوری :- باز کی قسم کا ایک سفید رنگ شکاری پرندہ جو ترکستان کے پہاڑوں اور صحراؤں میں پایا جاتا ہے۔

زدستِ کسے طعمۂ خود مگیر
نکو باش و پندِ نکویاں پذیر

کرمِ کتابی

شنیدم شبے در کتب خانۂ من
بہ پروانہ می گفت کرمِ کتابی
باوراقِ سینا نشیمن گرفتم
بسے دیدم از نسخۂ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمتِ زندگی را
ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے
کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش می دہد بال و پر زندگی را

کبر و ناز

یخ جوئے کوہ را ز رہِ کبر و ناز گفت
مارا ز موئیہ تو شود تلخ روزگار

گستاخ می سرائی و بیباک میروی
ہر سال شوخ دیدہ و آوارہ تر زپار

شایانِ دودمانِ کہستانیاں نئو
خود را مگوئے دخترکِ ابرِ کوہسار

گردندہ فتندہ غلطندہ بخاک!
راہ دگر بگیر و برو سوئے مرغزار

گفت آبجو چنیں سخنِ دل شکن مگوے
بر خویشتن مناز و نہالِ منی مکار

من می روم کہ در خورِ این دودمان نیم
تو خویش را ز مہرِ درخشاں نگاہ دار

لالہ

آں شعلہ ام کہ صبحِ ازل در کنارِ عشق
پیش از نمودِ بلبل و پروانہ می تپید

افزوں ترم ز مہر و بہر ذرّہ تن زنم
گردوں شرارِ خویش ز تابِ من آفرید

در سینۂ چمن چو نفس کردم آشیاں
یک شاخِ نازک از تہِ خاکم چو نم کشید

سوزم ربود و گفت یکے در برم بایست
لیکن دلِ ستم زدۂ من نیارمید

در تنگنائے شاخ بسے پیچ و تاب خورد
تا جوہرم بہ جلوہ گہِ رنگ و بو رسید

شبنم براہِ من گہرِ آبدار ریخت
خندید صبح و بادِ صبا گردِ من وزید

بلبل ز گل شنید کہ سوزم ربودہ اند
نالید و گفت جامۂ ہستی گراں خرید!

واکردہ سینہ منّتِ خورشید می کشم
آیا بود کہ باز برانگیزد آتشم

حکمت و شعر

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم — دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
این فروتر رفت و تا گوہر رسید — آں بگردابے چو خس منزل گرفت

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر میگردد چو سوز از دل گرفت

کرمکِ شب تاب

یک ذرۂ بے مایہ متاعِ نفس اندوخت
شوق این قدرش سوخت کہ پروانگی آموخت
پہنائے شب افروخت

واماندہ شعاعے کہ گرہ خورد و شرر شد

از سوزِ حیات است کہ کارش ہمہ زر شد

دارائے نظر شد!

پروانۂ بے تاب کہ ہر سو تگ و پو کرد

بر شمع چناں سوخت کہ خود را ہمہ او کرد

ترکِ من و تو کرد

یا اخترکے ماہِ مبینے بکمینے

نزدیک تر آمد بتماشائے زمینے

از چرخِ بریتے

یا ماہِ تنک ضو کہ بیک جلوہ تمام است

ماہے کہ برو منّتِ خورشید حرام است

آزادِ مقام است!

اے کرمکِ شب تاب سراپائے تو نور است
پرواز تو یک سلسلۂ غیب و حضور است
آئینِ ظہور است

در تیرہ شباں مشعلِ مرغانِ شب استی
آں سوز چہ سوز است کہ در تاب و تب استی
گرمِ طلب استی

مائیم کہ مانندِ تو از خاک دمیدیم
دیدیم تپیدیم، ندیدیم تپیدیم
جائے نرسیدیم!

گویم سخنِ پختہ و پروردہ و تہ دار
از منزلِ گم گشتہ مگو، پائے برہ دار
ایں جلوہ نگہ دار

حقیقت

عقابِ دور بیں جوئینہ را گفت
نگاہم آنچہ می بیند سراب است

جوابش داد آں مرغِ حق اندیش
تو می بینی و من دانم کہ آب است

صدائے ماہی آمد از تہِ بحر
کہ چیزے ہست و ہم در پیچ و تاب ست!

حُدی

(نغمۂ سارباںِ حجاز)

ناقۂ سیّارِ من
آہوئے تاتارِ من

درہم و دینارِ من

اندک و بسیارِ من

دولتِ بیدارِ من

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

دلکش و زیباستی

شاہدِ رعناستی

روکشِ حوراستی

غیرتِ لیلاستی

دخترِ صحراستی

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

در تپشِ آفتاب

غوطہ زنی در سراب

ہم بہ شبِ ماہتاب

تندروی چوں شہاب

چشمِ تو نادیدہ خواب

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

لکّۂ ابرِ رواں

کشتیِ بے بادباں

مثلِ خضر راہ داں

بر تو سبک ہر گراں

لختِ دلِ سارباں

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

سوزِ تو اندر زمام

سازِ تو اندر خرام

بے خورش و تشنہ کام

پا بہ سفر صبح و شام

خستہ شوی از مقام

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

شامِ تو اندر یمن

صبحِ تو اندر قرن

ریگِ درشتِ وطن

پائے ترا یاسمن

اے چو غزالِ ختن

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

مہ ز سفر پا کشید

در پسِ تل آرمید

صبح ز مشرق دمید

جامۂ شب بر درید

بادِ بیاباں وزید

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

نغمۂ من دلکشاے

زیر و بمش جانفزاے

قافلہ ہا را دراے

فتنہ ربا، فتنہ زاے

اے بہ حرم چہرہ ساے

تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

قطرۂ آب

مرا معنیٔ تازۂ مدعاست
اگر گفتہ را باز گویم رواست

"یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم
گر او ہست حقّا کہ من نیستم"

ولیکن ز دریا بر آمد خروش
ز شرمِ تنک مایگی روپوش

تماشائے شام و سحر دیدۂ
چمن دیدۂ، دشت و در دیدۂ
بہ برگِ گیاہے بدوشِ سحاب
درخشیدی از پرتوِ آفتاب

گہے ہمدمِ تشنہ کامانِ راغ
گہے محرمِ سینہ چاکانِ باغ
گہے خفتہ در تاک و طاقت گداز
گہے خفتہ در خاک و بے سوز و ساز
ز موجِ سبک سیرِ من زادۂ
ز من زادۂ در من افتادۂ
بیا سائے در خلوتِ سینہ ام
چو جوہر درخش اندر آئینہ ام
گہر شو در آغوشِ قلزم بزی
فروزاں تر از ماہ و انجم بزی

محاورہ مابین خدا و انسان

خدا

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم — تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولادِ ناب آفریدم — تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

انسان

تو شب آفریدی چراغ آفریدم — سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

ساقی نامہ

(در نشاط باغ کشمیر نوشتہ شد)

خوشا روزگارے خوشا نوبہارے — نجومِ پرن رُست از مرغزارے
زمیں از بہاراں چو بالِ تدروے — ز فوّارہ الماس بار آبشارے
نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل — نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے
لبِ جو خود آرائی غنچہ دیدی؟ — چہ زیبا نگارے، چہ آئینہ دارے
چہ شیریں نوائے، چہ دلکش صدائے — کہ می آید از خلوتِ شاخسارے
بہ تن جاں، بہ جاں آرزو زندہ گردد — ز آوائے سارے زبانگِ ہزارے
نواہائے مرغِ بلند آشیانے — در آمیخت با نغمۂ جوئبارے
تو گوئی کہ یزداں بہشتِ بریں را — نہاد است در دامنِ کوہسارے
کہ تا رحمتش آدمی زادگاں را — رہا سازد از محنتِ انتظارے

چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم
شرابے، کتابے، ربابے، نگارے

سرت گردم اے ساقیِ ماہ سیما
بیار از نیاگانِ ما یادگارے

بہ ساغر فرو ریز آبے کہ جاں را
فروزد چو نورے، بسوزد چو نارے

شقایق بروید ز خاکِ نژندم
بہشتے فرو چیں بمشتِ غبارے

نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشاں
ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے

ز چشمِ امم ریخت آں اشک نابے
کہ تاثیرِ او گل دماند ز خارے

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ
بُتے می تراشد ز سنگِ مزارے

ضمیرش تہی از خیالِ بلندے
خودی ناشناسے ز خود شرمسارے

بریشم قبا خواجہ از محنتِ او
نصیبِ تنش جامۂ تار تارے

نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے
نہ در سینۂ او دلِ بیقرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

اہلِ خطۂ کشمیر کو کشیر بھی کہتے ہیں۔

شاہین و ماہی

ماہی بچۂ شوخ بہ شاہین بچۂ گفت
این سلسلۂ موج کہ بینی ہمہ دریاست

دارائے نہنگانِ خروشندہ تر از میغ
در سینۂ او دیدہ و نادیدہ بلاہاست

با سیلِ گراں سنگ و زمیں گیر و سبک خیز
با گوہرِ تابندہ و با لولوئے لالاست

بیروں نتواں رفت ز سیلِ ہمہ گیرش
بالائے سرِ ماست، تہِ پاست، ہمہ جاست

ہر لحظہ جوان است و روان است و دوان است
از گردشِ ایّام نہ افزوں شد و نے کاست

ماہی بچہ را سوزِ سخن چہرہ برافروخت
شاہیں بچہ خندید و ز ساحل بہ ہوا خاست

زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمیں چیست
صحراست کہ دریاست تہِ بال و پرِ ماست!

بگذر ز سرِ آب و بہ پہنائے ہوا ساز
این نکتہ نہ بیند مگر آں دیدہ کہ بیناست

شبنم
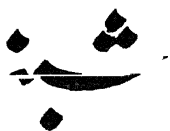
گفتند فرود آئے زاوجِ مہ و پرویز
بر خود زن و با بحرِ پُر آشوب بیامیز
با موج درآویز
نقشِ دگر انگیز
تابندہ گہر خیز
من عیشِ ہم آغوشیِ دریا نہ خریدم
آن بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
از خود نہ رمیدم
ز آفاق بریدم
بر لالہ چکیدم

گل گفت کہ ہنگامۂ مرغانِ سحر چیست؟
ایں انجمن آراستہ بالائے شجر چیست؟
ایں زیر و زبر چیست؟
پایانِ نظر چیست؟
خارِ گلِ تر چیست؟
تو کیستی و من کیم ایں صحبتِ ما چیست؟
بر شاخِ من ایں طائرکِ نغمہ سرا چیست؟
مقصودِ نوا چیست؟
مطلوبِ صبا چیست؟
ایں کہنہ سرا چیست؟
گفتم کہ چمن رزمِ حیاتِ ہمہ جائی است
بزمے است کہ شیرازۂ او ذوقِ جدائی است

دم؟ گرم نوائی است

جاں؟ چہرہ کشائی است

ایں راز خدائی است

من از فلک افتادہ تو از خاک دمیدی

از ذوقِ نمود است دمیدی کہ چکیدی

در شاخ تپیدی

صد پردہ دریدی

بر خویش رسیدی!

نم در رگِ ایّام ز اشک سحرِ ماست

ایں زیر و زبر چیست؟ فریبِ نظرِ ماست

انجم بہ برِ ماست

لختِ جگرِ ماست

نورِ بصرِ ماست

در پیرہنِ شاہدِ گُل سوزنِ خار است
خار است، ولیکن زندبانِ نگار است
از عشق نزار است
در پہلوئے یار است
این ہم ز بہار است
برخیز و دل از صحبتِ دیرینہ بہ پرداز
با لالۂ خورشیدِ جہان تاب نظر باز
با اہلِ نظر ساز
چون من بفلک تاز
داری سرِ پرواز؟

عشق

فکرم چو بہ جستجو قدم زد — در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسے دویدم — دامن چوں گرد باد چیدم

پویاں بے خضر سوئے منزل — بر دوشِ خیال بستہ محمل

جویائے مے شکستہ جامے — چوں صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چو موجِ دریا — آوارہ چو گرد بادِ صحرا

عشقِ تو دلم ربود ناگاہ — از کار گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت — بتخانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بخرمنم گذر کرد — از لذّتِ سوختن خبر کرد

سرمست شدم ز پا فتادم — چوں عکس ز خود جدا فتادم

خاکم بفراز عرش بردی — زاں راز کہ با دلم سپردی

واصلِ بکنارِ کشتیم شد　　طوفانِ جمال زِ شتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم　　پروائے ملامتے ندارم

از جلوۂ علم بے نیازم

سوزم گریم تپم گدازم

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

غزالے با غزالے دردِ دل گفت　　ازیں پس در حرم گیرم کنامے

بصحرا صید بنداں در کمین اند　　بکامِ آہواں صبحے نہ شامے

اماں از فتنۂ صیاد خواہم

دلے ز اندیشہ ہا آزاد خواہم

رفیقش گفت اے یارِ خردمند　　اگر خواہی حیات اندر خطر زی

دمادم خویشتن را بر فساں زن
ز تیغِ پاک گوہر تیز تر زی

خطر تاب و تواں را امتحان است
عیارِ ممکناتِ جسم و جان است

جہانِ عمل

ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است اینجا
قسمتِ بادہ باندازۂ جام است اینجا

حرفِ آں راز کہ بیگانۂ صوت است ہنوز
از لبِ جام چکید است و کلام است اینجا

نشہ از حال بگیرند و گذشتند ز قال
نکتۂ فلسفہ دُردِ تہِ جام است اینجا

ما دریں رہ نفسِ دہر برانداختہ ایم
آفتابِ سحرِ او لبِ بام است اینجا

اے کہ تو پاسِ غلط کردۂ خود می داری
آنچہ پیشِ تو سکون است خرام است اینجا

ما کہ اندر طلب از خانہ بروں تاختہ ایم
علم را جاں بدمیدیم و عمل ساختہ ایم

زندگی

پرسیدم از بلند نگاہے حیات چیست — گفتا مئے کہ تلخ تر او نکوتر است

گفتم کہ کرمک است و زگِل سر بروں زند — گفتا کہ شعلہ زاد مثالِ سمندر است

گفتم کہ شر بفطرتِ خامش نہادہ اند — گفتا کہ خیرِ او نشناسی ہمیں شر است

گفتم کہ شوقِ سیر نبُردش بہ منزلے — گفتا کہ منزلش بہ ہمیں شوق مضمر است

گفتم کہ خاکی است و بخاکش ہمی دہند

گفتا چو دانہ خاک شگافد گُلِ تر است

حکمتِ فرنگ

شنیدم کہ در پارس مردِ گزیں — ادا فہم رمز آشنا نکتہ بیں

بسے سختی از جانکنی دیدہ و مُرد — بر آشفت و جاں شکوہ لبریز بُرد

بنالش در آمد بہ یزدانِ پاک — کہ دارم دلے از اجل چاک چاک

کمالے ندارد بایں یک فنی — نداند فنِ تازہ جاں کنی

برو جان و ناپختہ در کارِ مرگ — جہاں نو شد و او ہماں کہنہ برگ

فرنگ آفریند ہنرہا شگرف — برانگیزد از قطرۂ بحرِ ژرف

کشد گردِ اندیشہ پرکارِ مرگ
ہمہ حکمتِ او پرستارِ مرگ

رود چوں نہنگ آبدوزش بہ یم
ز طیارۂ او ہوا خوردہ بم

نہ بینی کہ چشمِ جہاں بینِ ہور
ہمی گردد از غازِ او روز کور

تفنگش بکشتن چناں تیز دست
کہ افرشتۂ مرگ را دم گسست

فرست ایں کہن ابلہ را در فرنگ
کہ گیرد فنِ کشتن بیدرنگ

حور و شاعر

(درجواب نظم گوئٹے موسوم بہ "حور و شاعر")

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب ایں کہ تو ندانی رہ و رسمِ آشنائی

بم ۔ فارسی لفظ ہے بمعنی طمانچہ

ہمہ سازِ جستجوئے ہمہ سوزِ آرزوئے
نفسے کہ می گدازی غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائے
کہ ارم بچشم آید چو طلسمِ سیمیائی!

شاعر

دلِ رہرواں فریبی بہ کلامِ نیش دارے
مگر ایں کہ لذّتِ او نرسد بہ نوکِ خارے
چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوبروئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوبتر نگارے

ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نوبہارے
طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ امیدوارے
دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے!

زندگی و عمل

(در جواب نظم ہائنا موسوم بہ "سوالات")

ساحلِ افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم

ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم

موجِ ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت

ہستم اگر میروم گر نروم نیستم!

الملکُ للہ

طارق چو بر کنارۂ اُندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست

خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

جوئے آب

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانند کہکشاں بگریبانِ مرغزار

در خوابِ ناز بود بہ گھوارۂ سحاب
وا کرد چشمِ شوق بآغوشِ کوہسار

از سنگریزہ نغمہ کشاید خرامِ او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود

در راہِ او بہار پریخانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

گل عشوہ داد و گفت یکے پیشِ ما بایست
خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید

نا آشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید

نوٹ "جوئے آب" گوئٹے کی مشہور نظم موسوم بہ "نغمۂ محمدؐ" کا ایک نہایت آزاد ترجمہ ہے۔ اس نظم میں جو دیوان مغربی سے بہت پہلے لکھی گئی تھی المانی شاعر نے زندگی کے اسلامی تخیّل کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ اصل میں یہ ایک مجوزہ اسلامی ڈرامے کا جزو تھی۔ جس کی تکمیل اس سے نہ ہو سکی۔ اس ترجمے سے صرف گوئٹے کا نقطۂ نگاہ دکھانا مقصود ہے۔

زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ — گفتند "اے بسیطِ زمیں با تو سازگار

مارا کہ راہ از تنک آبی نہ بردہ ایم — از دستبردِ ریگِ بیاباں نگاہ دار"

وا کردہ سینہ را بہ ہواہائے شرق و غرب — در بر گرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود

با صد ہزار گوہرِ یکدانہ می رود

دریائے پر خروش ز بند و شکن گذشت — از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت

یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را — از کاخِ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت

بیتاب و تند و تیز و جگرسوز و بیقرار — در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

نامۂ عالمگیرؒ

بیکے از فرزندانش کہ دعائے مرگ پدر میکرد

ندانی کہ یزدانِ دیرینہ بود   بسے دید و سنجید و بست و کشود

زما سینہ چاکانِ این تیرہ خاک   شنیداست صد نالۂ دردناک

بسے ہمچو شبّیر در خوں نشست   نہ یک نالہ از سینۂ او گسست

نہ از گریۂ پیرِ کنعاں تپید   نہ از دردِ ایّوب آہے کشید

مپندار آں کہنہ نخچیر گیر

بدامِ دعائے تو گردد اسیر

بہشت

کجا ایں روزگارے شیشہ بازے
بہشت ایں گنبدِ گرداں ندارد

ندیدہ درد زنداں یوسفِ او
زلیخایش دلِ نالاں ندارد

خلیل او حریفِ آتشے نیست
کلیمش یک شرر در جاں ندارد

بہ صرصر در نیفتد زورقِ او
خطر از لطمۂ طوفاں ندارد

یقیں را در کمیں تُوک و مگر نیست
وصال اندیشۂ ہجراں ندارد

کجا آں لذّتِ عقلِ غلط سیر
اگر منزل رہِ پیچاں ندارد

مزی اندر جہانے کور ذوقے
کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

کشمیر

رخت به کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر

سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر

بادِ بہار موج موج مرغِ بہار فوج فوج

صلصل و سار زوج زوج بر سرِ نارون نگر

تا نفتد به زینتش چشمِ سپہرِ فتنه باز

بسته بچہرۂ زمیں برقعِ نسترن نگر

لاله ز خاک بر دمید موج بآبجو تپید

خاک شرر شرر ببیں آب شکن شکن نگر

زخمه به تارِ ساز زن باده به ساتگیں بریز

قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر

دختر کے برہمنے لالہ رُخے سمن برے
چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

عشق

عقلے کہ جہاں سوزد، یک جلوۂ بیباکش
از عشق بیاموزد، آئینِ جہانتابی

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی

ایں حرفِ نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید، با ایں ہمہ بیتابی

ہر معنیٔ پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بدل در شو، شاید کہ تو دریابی

بندگی

دوش در میکدہ ترسابچۂ بادہ فروش
گفت از من سخنے دار چو آویزہ بگوش

مشربِ بادہ گسارانِ کہن این بودہ است
کہ تو از میکدہ خیزی ہمہ مستی ہمہ ہوش

من نگویم کہ فرو بند لب از نکتۂ شوق
ادب از دوست مدہ بادہ باندازہ بنوش

گردِ رہیم ولے ذوقِ طلب جوہرِ ماست
بندگی با ہمہ جبروتِ خدائی مفروش

غلامی

آدم از بے بصری بندگیِ آدم کرد
گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد

یعنی از خوئے غلامی ز سگان خوار تر است
من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سر خم کرد

چشمۂ حیواں

آں سخت کوش چیست کہ گیرد ز سنگ آب
محتاجِ خضر مثلِ سکندر نمی شود

مثلِ نگاہِ دیدۂ نمناک پاک رو
در جوئے آب و دامنِ او تر نمی شود

مضمونِ او بہ مصرعِ برجستۂ تمام
منّت پذیرِ مصرعِ دیگر نمی شود

جمہوریت

متاعِ معنیِ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟
ز موراں شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

به مبلّغِ اسلام در فرنگستان

زمانه باز برافروخت آتشِ نمرود — که آشکار شود جوهرِ مسلمانی

بیا که پرده ز داغِ جگر براندازیم — که آفتاب جهانگیر شد ز عریانی

هزار نکته زدی پیشِ دلبرانِ فرنگ — گداختی صنماں را به علمِ بُرهانی

خبر ز شهرِ سلیمیٰ بده حجازی را — شرارِ شوق فشاں در ضمیرِ تورانی

رهِ عراق و خراساں زن اے مقام شناس — به بزمِ اعجمیاں تازه کن غزل خوانی

بسے گذشت که در انتظارِ زخمه وزیست — چه نغمه ها که نه خوں شد به سازِ افغانی

حدیثِ عشق به اہلِ ہوس چه میگوئی
بچشمِ مور مکش سرمۂ سلیمانی!

عراق و خراسان و مقام اصطلاحاتِ موسیقی ہیں۔

غنی کشمیری

غنی آں سخنگوئے بلبل صفیر — نواسنجِ کشمیرِ مینو نظیر

چو اندر سرا بود، در بستہ داشت — چو رفت از سرا تختہ را واگذاشت

یکے گفتش اے شاعرِ دل رسے — عجب دارد از کارِ تو ہر کسے

بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر — فقیر و باقلیمِ معنی امیر

زمن آنچہ دیدند یاراں رواست — دریں خانہ جز من متاعے کجاست

غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش — متاعے گرانے ست در خانہ اش

چو آں محفل افروز در خانہ نیست

تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

خطاب به مصطفیٰ کمال پاشا ایده الله

(جولائی سنه ۱۹۲۲ء)

امتے بود که ما از اثرِ حکمتِ او — واقف از سرِّ نهانخانهٔ تقدیر شدیم

اصلِ ما یک شررِ باختہ رنگے بودست — نظرے کرد که خورشیدِ جهانگیر شدیم

نکتهٔ عشق فرو شست ز دل پیرِ حرم — در جهاں خوار باندازهٔ تقصیر شدیم

بادِ صحرا است که با فطرتِ ما در سازد — از نفسهائے صبا غنچهٔ دلگیر شدیم

آه آں غلغله کز گنبدِ افلاک گذشت — ناله گردید چو پابندِ بم و زیر شدیم

اے بسا صید که بے دام بفتراک زدیم — در بغل تیر و کماں، کشتهٔ نخچیر شدیم!

"ہر کجا راه دہد اسپ بر آں تاز که ما
بارہا مات دریں عرصه بتدبیر شدیم" (نظیری)

طیّارہ

سرِ شاخِ گل طائرے یک سحر | ہمی گفت با طائرانِ دگر
"نُدادند بال آدمی زادہ را | زمیں گیر کردند ایں سادہ را"
بدو گفتم "اے مُرغکِ بادسنج | اگر حرفِ حق با تو گویم مرنج
زطیّارہ ما بال و پر ساختیم | سوئے آسماں رہگذر ساختیم
چہ طیّارہ آں مرغِ گردوں سپر | پرِ او زبالِ ملک تیز تر
بہ پرواز شاہیں بہ نیرو عقاب | بچشمش زلاہور تا فاریاب
بگردوں خروشندہ و تند جوش | میانِ نشیمن چو ماہی خموش
خرد زآب و گل جبرئیل آفرید | زمیں را بگردوں دلیل آفرید"
چو آں مرغِ زیرک کلامم شنید | مرا یک نظر آشنایانہ دید
پرِ خویش را بمنقار خارید و گفت | کہ من آنچہ گوئی ندارم شگفت

مگر اے نگاہِ تو بر چون و چند اسیرِ طلسمِ تو پست و بلند

تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟

کہ با آسماں نیز پرداختی؟" (سعدیؒ)

عشق

آں حرفِ دل فروز کہ راز است و راز نیست

من فاش گویمت کہ شنید؟ از کجا شنید؟

دزدید ز آسمان و بہ گل گفت شبنمش

بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

انساں کہ رخ ز غازۂ تہذیب بر فروخت
خاکِ سیاہِ خویش چو آئینہ وا نمود

پوشید پنجہ را تہِ دستانۂ حریر
افسونیِ قلم شد و تیغ از کمر کشود

ایں بوالہوس صنم کدۂ صلحِ عام ساخت
رقصید گردِ او بنواہائے چنگ و عود

دیدم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز یَسفِکُ الدِّمآ و خَصِیمٌ مُّبِینٌ نبود!

می باقی
غزلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مئے باقی

بہار تا بہ گلستاں کشید بزم سرود
نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود
گماں مبر کہ سرشتند در ازل گلِ ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیرِ وجود
بہ علم غرّہ مشو کارِ مے کشی دگر است
فقیہِ شہر گریبان و آستیں آلود

بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود

نظر بخویش فروبستہ را نشان این است
دگر سخن نہ سراید ز غائب و موجود

شبے بہ میکدہ خوش گفت پیرِ زندہ دلے
بہ ہر زمانہ خلیلؑ است و آتشِ نمرود

چہ نقشہا کہ نہ بستم بکارگاہِ حیات
چہ رفتنی کہ نہ رفت و چہ بودنی کہ نبود

بہ دیریاں سخنِ نرم گو کہ عشقِ غیور
بنائے بتکدہ افگند در دلِ محمودؒ!

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد

حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں

در چمن قافلۂ لالہ و گل رخت کشود
از کجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں؟

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں!

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں!

برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے ز خود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

کس نداںست کہ من نیز بہائے دارم
آں متاعم کہ شود دست زدِ بے بصراں

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رَست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

بر سرِ بام آ نقاب از چہرہ بیباکانہ کش
نیست در کوئے تو چوں من آرزومندے دگر

بسکہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش
از نگہ بافم بہ رخسارِ تو روبندے دگر

یک نگہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک
بہرِ پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر

عشق را نازم کہ از بیتابیٔ روزِ فراق
جانِ ما را بست با دردِ تو پیوندے دگر

تا شوی بیباک تر در نالہ اے مرغِ بہار
آتشے گیر از حریمِ سینہ ام چندے دگر

چنگِ تیموری شکست آہنگِ تیموری بجاست

سر بروں می آرد از سازِ سمرقندے دگر

رہ مدہ در کعبہ اے پیرِ حرم اقبال را

ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

مرا ز دیدۂ بینا شکایتِ دگر است

کہ چوں بجلوہ در آئی حجابِ من نظر است

بہ نوریاں زمنِ پا بہ گِل پیامے گوے

حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگر است!

نوا زنیم و بہ بزمِ بہار می سوزیم

شرر بہ مشتِ پرِ ما ز نالۂ سحر است

ز خود رمیدہ چہ داند نوائے من ز کجاست
جہانِ او دگر است و جہانِ من دگر است

مثالِ لالہ فتادم بگوشۂ چمنے
مرا ز تیرِ نگاہے نشانہ بر جگر است

بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است
سفر بکعبہ نکردم کہ راہ بے خطر است

ھزار انجمن آراستند و برچیدند
دریں سراچہ کہ روشن ز مشعلِ قمر است

ز خاکِ خویش بہ تعمیرِ آدمے برخیز
کہ فرصتِ تو بقدرِ تبسّمِ شرر است

اگر نہ بوالہوسی با تو نکتۂ گویم
کہ عشق پختہ تر از نالہ ہائے بے اثر است

نوائے من بہ عجم آتشِ کہن افروخت
عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

باین بہانہ دریں بزم محرمے جویم
غزل سرایم و پیغامِ آشنا گویم

بخلوتے کہ سخن می شود حجاب آنجا
حدیثِ دل بزبانِ نگاہ میگویم

پئے نظارۂ روئے تو می کنم پاکش
نگاہِ شوق بہ جوئے سرشک می شویم

چو غنچہ گرچہ بکارم گرہ زنند ولے
ز شوقِ جلوہ گہِ آفتاب می رویم

چو موج سازِ وجودم ز سیلِ بے پرواست
گماں مبر کہ دریں بحر ساحلے جویم
میانۂ من و او ربطِ دیدہ و نظر است
کہ در نہائتِ دوری ہمیشہ با اویم
کشید نقشِ جہانے بہ پردۂ چشمم
ز دستِ شعبدہ بازے اسیرِ جادویم
درونِ گنبدِ دربستہ اش نگنجیدم
من آسمانِ کہن را چو خارِ پہلویم

بہ آشیاں نہ نشینم ز لذّتِ پرواز
گہے بہ شاخِ گلم گاہ بر لبِ جویم

خیز و نقاب برکشا، پردگیانِ ساز را
نغمۂ تازہ یاد دہ، مرغِ نوا طراز را

جادہ ز خونِ رہرواں تختۂ لالہ در بہار
نازِ کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را؟

دیدۂ خوابناکِ او گر بہ چمن کشودۂ
رخصتِ یک نظر بدہ، نرگسِ نیم باز را

حرفِ نگفتۂ شما، بر لبِ کودکاں رسیدؑ
از منِ بے زباں بگو، خلوتیانِ راز را

سجدۂ تو برآورد، از دلِ کافراں خروش
اے کہ دراز ترکنی، پیشِ کساں نماز را

گرچہ متاعِ عشق را، عقل بہائے کم نہد
من ندہم بہ تختِ جم، آہِ جگر گداز را

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را

بملا زمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ جہاں تواں گرفتن بنوائے دلگدازے
بمتاعِ خود چہ نازی کہ بہ شہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسّمِ ایازے
ہمہ نازِ بے نیازی، ہمہ سازِ بے نوائی
دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے
ز مقامِ من چہ پرسی بہ طلسمِ دل اسیرم
نہ نشیبِ من نشیبے نہ فرازِ من فرازے

رہِ عاشقی رہا کن کہ باو تواں رسیدن
بدلِ نیازمندے بہ نگاہِ پاکبازے

بہ رہِ تو ناتمامم، ز تغافلِ تو خامم
من و جانِ نیم سوزے، تو و چشمِ نیم بازے

رہِ دیر تختہ گل ز جبینِ سجدہ ریزم
کہ نیازِ من نگنجد بدو رکعتِ نمازے

ز ستیزِ آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دِلکے بہانہ سوزے، نگہے بہانہ سازے

بیا کہ ساقیِ گُل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بہاراں جوابِ ارژنگ است

حنا ز خونِ دلِ نوبہار می بندد
عروسِ لالہ چہ اندازہ تشنۂ رنگ است!

نگاہ می رسد از نغمۂ دل افروزے
بمعنئی کہ برو جامۂ سخن تنگ است

بچشمِ عشق نگر تا سراغِ او گیری
جہاں بچشمِ خرد سیمیاؤ نیرنگ است

ز عشق درسِ عمل گیر و ہر چہ خواہی کن
کہ عشق جوہرِ ہوش است و جانِ فرہنگ است

بلند تر ز سپہر است منزلِ من و تو
براہِ قافلہ خورشید میلِ فرسنگ است

ز خود گذشتۂ اے قطرۂ محال اندیش
شدن بہ بحر و گہر بر نخاستن ننگ است

تو قدرِ خویش ندانی بہا ز تو گیرد
وگرنہ لعلِ درخشندہ پارۂ سنگ است

صورت نہ پرستم من، بتخانہ شکستم من
آں سیلِ سبک سیرم، ہر بند گسستم من
در بود و نبودِ من، اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد، این نکتہ کہ ہستم من
در دیر نیازِ من، در کعبہ نمازِ من
زنّار بدوشم من، تسبیح بدستم من
سرمایۂ دردِ تو، غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد، در دیدہ شکستم من

فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بہ کردارم
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من

ہوائے فرودیں در گلستاں میخانہ می سازد
سبو از غنچہ می ریزد، زگُل پیمانہ می سازد

محبت چوں تمام افتد، رقابت از میاں خیزد
بہ طوفِ شعلۂ پروانہ با پروانہ می سازد

بہ سازِ زندگی سوزے، بہ سوزِ زندگی سازے
چہ بیدردانہ می سوزد چہ بیتابانہ می سازد!

تنش از سایۂ بالِ تذروے لرزہ می گیرد
چو شاہیں زادۂ اندر قفس با دانہ می سازد

بگو اقبال را اے باغباں رخت از چمن بندد
کہ ایں جادو نوا ما را ز گل بیگانہ می سازد

از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خو را
کآتش زد از نگاہے یک شہرِ آرزو را

ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است
من گرچہ توبہ گفتم نشکستہ ام سبو را

اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم
تو در کنار گیری باز ایں رمیدہ بو را

رمزِ حیات جوئی؟ جز در تپش نیابی
در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را

شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی

درماں نیافریدی آزارِ جستجو را

گفتی مجو وصالم بالا تر از خیالم

عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را

از نالہ بر گلستاں آشوبِ محشر آور

تا دم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے و ہو را

آشنا ہر خار را از قصّۂ ما ساختی

در بیابانِ جنوں بردی و رسوا ساختی

جرمِ ما از دانۂ؛ تقصیرِ او از سجدۂ

نے بآں بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی

صد جہاں می روید از کشتِ خیالِ ما چو گل
یک جہان و آں ہم از خونِ تمنّا ساختی
پرتوِ حسنِ تو می افتد بروں مانندِ رنگ
صورتِ مے پردہ از دیوارِ مینا ساختی
طرحِ نو افگن کہ ما جدّت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی!

خوش آنکہ رختِ خرد را بہ شعلۂ مے سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستاں کن
بہار، خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت

دلم تپید ز محرومیٔ فقیہِ حرم
کہ پیرِ میکدہ جامے بفتوئے نفروخت
منج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

صبا بہ گلشنِ ویمرؔ[1] سلامِ ما برساں
کہ چشمِ نکتہ وراں خاکِ آں دیار افروخت

بیار بادہ کہ گردوں بکامِ ما گردید
مثالِ غنچہ نواہا زشاخسار دمید
خورم بیادِ تنک نوشیٔ امامِ حرم
کہ جز بہ صحبتِ یارانِ راز داں نچشید

[1] جرمنی میں ایک شہر ہے جہاں گوئٹے نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ بسر کیا اور بعد انتقال وہیں دفن ہوا۔

فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت
چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید

نوا ز حوصلۂ دوستاں بلند تر است
غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچکس نشنید

عیارِ معرفتِ مشتری است جنسِ سخن
خوشم ازانکہ متاعِ مرا کسے نخرید

زشعرِ دلکشِ اقبالؔ می تواں دریافت
کہ درسِ فلسفہ میداد و عاشقی ورزید

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیّرم آرزوست

از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلۂ درگیرم آرزوست

گفتند لب بہ بند وز اسرارِ ما مگو
گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزوست

گفتند ہرچہ در دلت آید زما بخواہ
گفتم کہ بے حجابیٔ تقدیرم آرزوست

از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزوست!

کو آں نگاہِ ناز کہ اوّل دلم ربود
عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

دانۂ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز
گر نگاہِ تو دوبین است ندیدن آموز

پا ز خلوت کدۂ غنچہ بروں زن چو شمیم
با نسیمِ سحر آمیز و وزیدن آموز

آفریدند اگر شبنمِ بے مایہ ترا
خیز و بر داغِ دلِ لالہ چکیدن آموز

اگرت خارِ گلِ تازہ رسے ساختہ اند
پاسِ ناموسِ چمن دار و خلیدن آموز

باغباں گر ز خیابانِ تو بر کند ترا
صفتِ سبزہ دگر بارہ دمیدن آموز

تا تو سوزندہ تر و تلخ تر آئی بیروں
عزلتِ خم کدۂ گیسو رسیدن آموز

تا کجا در تہِ بالِ دگراں می باشی
در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

درِ بتخانہ زدم، مُغ بچگانم گفتند
آتشے در حرم افروز و تپیدن آموز

ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلّیٔ دگرے در خورِ تقاضا نیست
بملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
"کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"
اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا نیست

تو رہ شناس نۂ، وز مقام بیخبری
چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمیٰ نیست

نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست

بیا کہ غلغلہ در شہرِ دلبراں فگنیم
جنونِ زندہ دلاں ہرزہ گردِ صحرا نیست

ز قید و صیدِ نہنگاں حکایتے آور
مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

مریدِ ہمت آں رہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ درو کوہ و دشت و دریا نیست

شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست

برہنہ حرف نہ گفتن کمالِ گویائی است
حدیثِ خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

موج را از سینۂ دریا گسستن می تواں
بحرِ بے پایاں بجوئے خویش بستن می تواں

از نوائے می تواں یک شہرِ دل درخوں نشاند
یک چمن گل از نسیمے سینہ خستن می تواں

می تواں جبریل را گنجشکِ دست آموز کرد
شہپرش با موئے آتش دیدہ بستن می تواں

اے سکندر! سلطنت نازک تر از جامِ جم است
یک جہاں آئینہ از سنگے شکستن می تواں

گر بخود محکم شوی سیلِ بلا انگیز چیست
مثلِ گوهر در دلِ دریا نشستن می تواں

من فقیرِ بے نیازم مشربم این است و بس
مومیائی خواستن نتواں شکستن می تواں

صد نالۂ شبگیرے صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے یک شعرِ دلآویزے
در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشۂ فرہادے ایں حیلۂ پرویزے
با پردگیاں برگو کایں مشتِ غبارِ من
گردیست نظر بازے خاکیست نگہ خیزے

ہوشم برد اے مطرب، مستم کند اے ساقی
گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے
از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامۂ چنگیزے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

باز بہ سرمہ تاب دہ چشمِ کرشمہ زائے را
ذوقِ جنوں دو چند کن شوقِ غزلسرائے را
نقشِ دگر طراز دہ آدمِ پختہ تر بیار
لعبتِ خاک ساختن می نہ سزد خدائے را

قصّۂ دل نگفتنی است، دردِ جگر نہفتنی است
خلوتیاں ! کجا برم لذّتِ ہائے ہائے را

آہِ درونہ تاب کو، اشکِ جگر گداز کو
شیشہ بسنگ می زنم عقلِ گرہ کشائے را

بزم بہ باغ و راغ کش، زخمہ بہ تارِ چنگ زن
بادہ بجوش، غزل سرائے، بند کشا قبائے را

صبح دمید و کارواں کرد نماز و رخت بست
تو نشنیدۂ مگر زمزمۂ درائے را

نازِ شہاں نمی کشم زخمِ کرم نمی خورم
در نگر اے ہوس فریب ہمتِ ایں گدائے را

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد
که میرِ قافله و ذوقِ رہزنی دارد

نشانِ راہ ز عقلِ ہزار حیله مپرس
بیا که عشق کمالے ز یک فنی دارد

فرنگ گرچه سخن با ستارہ میگوید
حذر که شیوۂ او رنگِ جوزنی دارد

ز مرگ و زیست چه پرسی دریں رباطِ کہن
که زیست کاہشِ جاں، مرگ جانکنی دارد

سرِ مزارِ شہیداں یکے عناں درکش
که بے زبانئ ما حرفِ گفتنی دارد

دگر بدشتِ عرب خیمه زن که بزمِ عجم
مئے گذشته و جامِ شکستنی دارد

نہ شیخِ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیرِ راہ نشین است و دل غنی دارد

حسرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دست بر سینہ نظر بر لبِ بامے دارم

حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم

نہ بامروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بہ دوش
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم

بادۂ رازم و پیمانہ گسارے جویم
در خراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر
مرغِ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

پردہ برگیرم و در پردہ سخن میگویم
تیغِ خونریزم و خود را بہ نیاے دارم

بشاخِ زندگیٔ ما نمے ز تشنہ لبی است
تلاشِ چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی است
حدیثِ دل بکہ گویم، چہ راہ برگیرم
کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی است
غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیرِ لبی است

متاعِ قافلۂ ما حجازیاں بُردند
ولے زباں نکشائی کہ یارِ ما عربی است

نہالِ تُرک ز برقِ فرنگ بار آورد
ظہورِ مصطفوی را بہانہ بولہبی است

سنجِ معنیِ من در عیارِ ہند و عجم
کہ اصلِ ایں گُہر از گریہ ہائے نیم شبی است

بیا کہ من زخُمِ پیرِ روم آوردم
مے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است

فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ
ایں جلوتِ جانانہ، آں خلوتِ جانانہ

شادم کہ مزارِ من در کوئے حرم بستند
راہے ز مژہ کاوم از کعبہ بہ بتخانہ

از بزمِ جہاں خوشتر از حور و جناں خوشتر
یک ہمدمِ فرزانہ وز بادہ دو پیمانہ

ہر کس نگہے دارد، ہر کس سخنے دارد
در بزمِ تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبیخونے؟
صد شہرِ تمنّا را یغما زدہ تُرکانہ!

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال بہ منبر زد رازے کہ نہ باید گفت
ناپختہ بروں آمد از خلوتِ میخانہ

بے تو از خوابِ عدم دیدہ کشودن نتواں
بے تو بودن نتواں با تو نبودن نتواں

در جہان است دلِ ما کہ جہاں در دلِ ماست
لب فرو بند کہ ایں عقدہ کشودن نتواں

دلِ یاراں ز نواہائے پریشانم سوخت
من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں

اے صبا از تنک افشانیِ شبنم چہ شود
تب و تاب از جگرِ لالہ ربودن نتواں

دل بحق بند و کشادے ز سلاطیں مطلب
کہ جبیں بر درِ ایں بتکدہ سودن نتواں

این گنبدِ مینائی، این پستی و بالائی
در شد بدلِ عاشق، با این همه پہنائی

اسرارِ ازل جوئی؟ بر خود نظرے واکن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی

اے جانِ گرفتارم دیدی کہ محبت چیست؟
در سینہ نیاسائی از دیدہ بروں آئی

برخیز کہ فرور دیں افروخت چراغِ گل
برخیز و دمے بنشیں با لالۂ صحرائی

عشق است و ہزار افسوں، حسن است و ہزار آئیں
نے من بہ شمار آیم، نے تو بہ شمار آئی

صد رہ بہ فلک بر شد، صد رہ بہ زمیں در شد
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی

ہم با خود و ہم با او، ہجراں کہ وصال است این؟
اے عقل چہ میگوئی، اے عشق چہ فرمائی

بہ یکے از صوفیہ نوشتہ شد

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگرِ گرمیٔ صحرا نہ تو داری و نہ من

من جواں ساقی و تو پیرِ کہن میکدۂ
بزمِ ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

دل و دیں در گروِ زہرہ وشانِ عجمی!
آتشِ شوقِ سلیمیٰ نہ تو داری و نہ من

خزفے بود کہ از ساحلِ دریا چیدیم
دانۂ گوہرِ یکتا نہ تو داری و نہ من

دگر از یوسفِ گم گشته سخن نتوان گفت

تپشِ خونِ زلیخا نه تو داری و نه من

بہ کہ با نورِ چراغِ تہِ داماں سازیم

طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من

دلیلِ منزلِ شوقم بدامنم آویز

شررز آتشِ نابم بخاکِ خویش آمیز

عروسِ لالہ بروں آمد از سراچۂ ناز

بیا کہ جانِ تو سوزم ز حرفِ شوق انگیز

بہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند

حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز

اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشمِ من است
ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز است

در جہانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست
انقلابیست ولے شام و سحر پیدا نیست
وائے آں قافلہ کز دونیٔ ہمت میخواست
رہگذارے کہ درو ہیچ خطر پیدا نیست
بگذر از عقل و درآویز بموجِ یمِ عشق
کہ درآں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست
آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست
ہست در دیدہ و مانندِ نظر پیدا نیست

گریۂ ما بے اثر نالۂ ما نارسا است

حاصلِ ایں سوز و ساز یک دلِ خونیں نوا است

در طلبش دل تپید دیر و حرم آفرید

ما بہ تمنّائے او، او بتماشائے ماست

پردگیاں بے حجاب، من بہ خودی در شدم

عشقِ غیورم نگر اہلِ تماشا کراست

مطربِ مے خانہ دوش نکتۂ دلکش سرود

بادہ چشیدن خطاست بادہ کشیدن رواست

زندگیٔ رہرواں در تگ و تاز است و بس

قافلۂ موج را جادہ و منزل کجاست

شعلہ درگیر زد بر خس و خاشاکِ من

مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ما کبریا است"

سوزِ سخن ز نالۂ مستانۂ دل است
این شمع را فروغ ز پروانۂ دل است

مشتِ گلیم و ذوقِ فغانے نداشتیم
غوغائے ما ز گردشِ پیمانۂ دل است

این تیرہ خاکداں کہ جہاں نام کردۂ
فرسودہ پیکرے ز صنم خانۂ دل است

اندر رصد نشستہ حکیمِ ستارہ بیں
در جستجوئے سرحدِ ویرانۂ دل است

لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او
صوفی ہلاکِ شیوۂ ترکانۂ دل است

محمودِ غزنوی کہ صنم خانہ ہا شکست
زُنّاریٔ بُتانِ صنم خانۂ دل است

غافل ترے زمردِ مسلماں ندیدہ ام
دل درمیانِ سینہ و بیگانۂ دل ست!

سطوت از کوہ ستانند و بکاہے بخشند
کُلۂ جم بگدائے سرِ راہے بخشند
در رہِ عشق فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست
یدِ بیضائے کلیمے بسیاہے بخشند
گاہ شاہی بجگر گوشۂ سلطاں ندہند
گاہ باشد کہ بزندانیٔ چاہے بخشند!
فقر را نیز جہاں بان و جہانگیر کنند
کہ بایں راہ نشیں تیغِ نگاہے بخشند

عشق پامالِ خرد گشت و جہاں دیگر شد
بود آیا کہ مرا رخصتِ آہے بخشند

نہ تو اندر حرم گنجی نہ در بتخانہ می آئی
ولیکن سوئے مشتاقاں چہ مشتاقانہ می آئی
قدم بیباک تر نِہ در حریمِ جانِ مشتاقاں
تو صاحب خانۂ آخر چرا دزدانہ می آئی
بغارت می بری سرمایۂ تسبیح خواناں را
بشبخونِ دلِ زُنّاریاں تُرکانہ می آئی
گہے صد لشکر انگیزی کہ خونِ دوستاں ریزی
گہے در انجمن با شیشہ و پیمانہ می آئی

تو برنخلِ کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی

تو بر شمعِ یتیمے صورتِ پروانہ می آئی

بیا اقبالؔ جامے از خمستانِ خودی درکش

تو از میخانۂ مغرب زخود بیگانہ می آئی

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من

کہ بیک نگاہ محمدِ عربی گرفت حجازِ من

چہ کنم کہ عقل بہانہ جو گرہے بروئے گرہ زند

نظرے! کہ گردشِ چشمِ تو شکند طلسمِ مجازِ من

نرسد فسوں گریٔ خرد بہ تپیدنِ دلِ زندۂ

زکنشتِ فلسفیاں درا بحریمِ سوز و گدازِ من

مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں
از دل و دیدہ فروشوے خیالِ دگراں

آتش از نالۂ مرغانِ حرم گیر و بسوز
آشیانے کہ نہادی بہ نہالِ دگراں

در جہاں بال و پرِ خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتواں با پر و بالِ دگراں

مردِ آزادم و آں گونہ غیورم کہ مرا
می تواں کُشت بیک جامِ زلالِ دگراں

اے کہ نزدیک تر از جانی و پنہاں زنگہ
ہجرِ تو خوشترم آید ز وصالِ دگراں!

جهانِ عشق نہ میری نہ سروری داند
ہمیں بس است کہ آئینِ چاکری داند

نہ ہر کہ طوفِ بتے کرد و بست زنارے
صنم پرستی و آدابِ کافری داند

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدری داند

بچشمِ اہلِ نظر از سکندر افزون است
گدا گرے کہ مآلِ سکندری داند

بعشوہ ہائے جوانانِ ماہ سیما چیست
در آ بحلقۂ پیرے کہ دلبری داند

فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!

چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
جز ایں کہ پورِ خلیل است و آذری داند
یکے بہ غمکدۂ من گذر کن و بنگر
ستارہ سوختۂ کیمیاگری داند!

بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

خواجۂ نیست کہ چوں بندہ پرستارش نیست
بندۂ نیست کہ چوں خواجہ خریدارش نیست
گرچہ از طور و کلیم است بیانِ واعظ
تابِ آں جلوہ بآئینۂ گفتارش نیست

پیرِ ما مصلحت آمیز گر و بمجاز آورد است
ورنہ با زہرہ وشاں ہیچ سروکارش نیست

دل باو بندو ازیں خرقہ فروشاں بگریز
نشوی صیدِ غزالے کہ ز تاتارش نیست

نغمۂ عافیت از بربطِ من می طلبی؟
از کجا بر کشم آں نغمہ کہ در تارش نیست

دلِ ما قشقہ زد و برہمنی کرد و لے
آں چناں کرد کہ شائستۂ زنّارش نیست!

عشق در صحبتِ میخانہ بگفتار آید
زانکہ در دیر و حرم محرمِ اسرارش نیست

بیا کہ بلبلِ شوریدہ نغمہ پرداز است
عروسِ لالہ سراپا کرشمہ و ناز است

نوا ز پردۂ غیب است اے مقام شناس
نہ از گلوئے غزل خواں نہ از رگِ ساز است

کسے کہ زخمہ رساند بتارِ سازِ حیات
ز من بگیر کہ آں بندہ محرمِ راز است

مرا ز پردگیانِ جہاں خبر دادند
ولے زباں نکشایم کہ چرخ کج باز است

سخن درشت مگو در طریقِ یاری کوش
کہ صحبتِ من و تو در جہاں خدا ساز است

کجاست منزلِ ایں خاکدانِ تیرہ نہاد؟
کہ ہر چہ ہست چو ریگِ رواں بہ پرواز است

تنم گُلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر
دل از حریمِ حجاز و نوا ز شیراز است

خاکیم و تند سیر مثالِ ستارہ ایم
در نیلگوں یمے بتلاشِ کنارہ ایم
بود و نبودِ ماست ز یک شعلۂ حیات
از لذّتِ خودی چو شرر پارہ پارہ ایم
با نوریاں بگو کہ ز عقلِ بلند دست
ما خاکیاں بدوشِ ثریّا سوارہ ایم
در عشق غنچہ ایم کہ لرزد ز بادِ صبح
در کارِ زندگی صفتِ سنگِ خارہ ایم

چشم آفریدہ ایم چو نرگس دریں چمن
رو بند برکشا کہ سراپا نظارہ ایم

عرب از سرشکِ خونم ہمہ لالہ زار بادا
عجمِ رمیدہ بو را نفسم بہار بادا
تپش است زندگانی، تپش است جاودانی
ہمہ ذرّہ ہائے خاکم دلِ بیقرار بادا
نہ بہ جادۂ قرارش، نہ بہ منزلے مقامش
دلِ من مسافرِ من کہ خدا اش یار بادا
حذر از خرد کہ بندد ہمہ نقشِ نامرادی
دلِ ما برد بسازے کہ گسستہ تار بادا

تو جوانِ خام سوزے سخنم تمام سوزے
غزلے کہ می سرایم بتو سازگار بادا

چو بجانِ من در آئی دگر آرزو نہ بینی
مگر ایں کہ شبنمِ تو یمِ بے کنار بادا

نشود نصیبِ جانت کہ دمے قرار گیرد
تب و تابِ زندگانی بتو آشکار بادا

نظرِ تو ہمہ تقصیر و خرد کوتاہی
نرسی جز بہ تقاضائے کلیم اللٰہی

راہ کور است بخود غوطہ زن اے سالکِ راہ
جادہ را گم نکند در تہِ دریا ماہی

حاجتے پیشِ سلاطین نبرد مردِ غیور

چہ تواں کرد کہ از کوہ نیاید کاہی

مگذر از نغمۂ شوقم کہ بیابی در وے

رمزِ درویشی و سرمایۂ شاہنشاہی

نفسم با تو کند آنچہ بہ گل کرد نسیم

اگر از لذّتِ آہِ سحری آگاہی

اے فلک چشمِ تو بیباک و بلا جوست ہنوز

می شناسم کہ تماشائے دگر می خواہی

سرخوش از بادۂ تو خم شکنے نیست کہ نیست

مستِ لعلینِ تو شیریں سخنے نیست کہ نیست

در قبائے عربی خوشترک آئی بہ نگاہ
راست بر قامتِ تو پیرہنے نیست کہ نیست

گرچہ لعلِ تو خموش است ولے چشمِ ترا
با دلِ خوں شدۂ ما سخنے نیست کہ نیست

تا حدیثِ تو کنم بزمِ سخن می سازم
ورنہ در خلوتِ من انجمنے نیست کہ نیست

اے مسلماں دگر اعجازِ سلیماں آموز
دیدہ بر خاتمِ تو اہرمنے نیست کہ نیست

اگرچہ زیبِ سرش افسر و کلاہے نیست
گدائے کوئے تو کمتر ز پادشاہے نیست

بخواب رفتہ جوانان و مُردہ دل پیران
نصیبِ سینۂ کس آہِ صبحگاہے نیست

بایں بہانہ بدشتِ طلب ز پا منشیں
کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست

ز وقتِ خویش چہ غافل نشستۂ دریاب
زمانۂ کہ حسابش ز سال و ماہے نیست

دریں رباطِ کہن چشمِ عافیت داری؟
ترا کشمکشِ زندگی نگاہے نیست

گناہِ ما چہ نویسند کاتبانِ عمل
نصیبِ ما زجہانِ تو جز نگاہے نیست

بیا کہ دامنِ اقبال را بدست آریم
کہ او ز خرقہ فروشانِ خانقاہے نیست

شعلہ در آغوش دارد عشقِ بے پروائے من
بر نخیزد یک شرار از حکمتِ نازائے من

چوں تمام افتد سراپا نازمی گردد نیاز
قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے من

بہرِ دہلیزِ تو از ہندوستاں آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من

تیغِ لَا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ اِلَّائے من

گردشے باید کہ گردوں از ضمیرِ روزگار
دوشِ من باز آرد اندر کسوتِ فردائے من

از سپہرِ بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من؟

باخدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! او پنہاں و تو پیدائے من!

بتانِ تازہ تراشیدۂ دریغ از تو
درونِ خویش نہ کاویدۂ دریغ از تو

چناں گداختۂ از حرارتِ افرنگ
ز چشمِ خویش تراویدۂ دریغ از تو

بکو چہ کہ دہد خاک را بہائے بلند
بہ نیم غمزہ نیرزیدۂ دریغ از تو

گرفتم ایں کہ کتابِ خرد فرو خواندی
حدیثِ شوق نہ فہمیدۂ دریغ از تو

طوافِ کعبہ زدی گردِ دیر گردیدی
نگہ بخویش نہ پیچیدۂ دریغ از تو

نقشِ فرنگ

نقشِ فرنگ

پیام

از من اے بادِ صبا گوے بدانائے فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
برق را این بجگر می زند آں رام کند
عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگر دار تر است

چشم جز رنگِ گل و لاله نہ بیند ورنہ
آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تراست

عجب آن نیست کہ اعجازِ مسیحا داری
عجب این است کہ بیمارِ تو بیمار تراست

دانش اندوختہ دل ز کف انداختہ
آہ زاں نقدِ گرانمایہ کہ در باختۂ

حکمت و فلسفہ کارے است کہ پایانش نیست
سیلیِ عشق و محبت بہ دبستانش نیست

بیشتر راہِ دلِ مردمِ بیدار زند
فتنۂ نیست کہ در چشمِ سخندانش نیست

دل ز نازِ خنکِ او بہ تپیدن نرسد
لذّتے در خلشِ غمزۂ پنہانش نیست

دشت و کہسار نورد ید و غزالے نگرفت
طوفِ گلشن زد و یک گل بہ گریبانش نیست

چارہ این است کہ از عشق کشادے طلبیم
پیشِ او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

عقل چوں پائے دریں راہِ خم اندر خم زد
شعلہ در آب دوانید و جہاں برہم زد
کیمیا سازئ او ریگِ رواں را زر کرد
بر دلِ سوختہ اکسیرِ محبت کم زد
وائے بر سادگئ ما کہ فسونش خوردیم
رہزنے بود کمیں کرد و رہِ آدم زد
ہنرش خاک بر آورد ز تہذیبِ فرنگ
باز آں خاک بچشمِ پسرِ مریم زد

شررے کاشتن و شعلہ درودن تا کے
عقدہ بر دل زدن و باز کشودن تا کے

عقلِ خود بیں دگر و عقلِ جہاں بیں دگر است
بالِ بلبل دگر و بازوئے شاہیں دگر است
دگر است آں کہ برد دانۂ افتادہ ز خاک
آں کہ گیرد خورش از دانۂ پرویں دگر است
دگر است آں کہ زند سیرِ چمن مثلِ نسیم
آں کہ در شد بہ ضمیرِ گل و نسریں دگر است
دگر است آنسوئے نُہ پردہ کشادن نظرے
ایں سوئے پردہ گمان و ظن و تخمیں دگر است

اے خوش آں عقل کہ پہنائے دو عالم با اوست
نورِ افرشتہ و سوزِ دلِ آدم با اوست

ما ز خلوت کدۂ عشق بروں تاختہ ایم

خاکِ پا را صفتِ آئینہ پرداختہ ایم

در نگہ ہمتِ ما را کہ بہ دادے فگنیم

دو جہاں را کہ نہاں بُردہ عیاں باختہ ایم

پیشِ ما میگذرد سلسلۂ شام و سحر

بر لبِ جوئے رواں خیمہ برافراختہ ایم

در دلِ ما کہ بریں دیرِ کہن شبخوں ریخت

آتشے بود کہ در خشک و تر انداختہ ایم

شعلہ بودیم شکستیم و شرر گردیدیم

صاحبِ ذوق و تمنا و نظر گردیدیم

عشق گر دید ہوس پیشہ و ہر بند گسست

آدم از فتنۂ او صورتِ ماہی در شست

داد ۔ داؤ

رزم بر بزم پسندید و سپاہے آراست
تیغِ او جز بہ سر و سینۂ یاراں نہ نشست
رہزنی را کہ بنا کرد جہاں بانی گفت
ستمِ خواجگیٔ او کمرِ بندہ شکست
بے حجابانہ ببانگِ دف و نے می رقصد
جامے از خونِ عزیزانِ تنک مایہ بدست
وقت آن است کہ آئینِ دگر تازہ کنیم
لوحِ دل پاک بشوئیم و ز سر تازہ کنیم
افسرِ پادشہی رفت و بہ یغمائی رفت
نئے اسکندری و نغمۂ دارائی رفت
کوہکن تیشہ بدست آمد و پرویزی خواست
عشرتِ خواجگی و محنتِ لالائی رفت

یوسفی را ز اسیری بہ عزیزی بردند
ہمہ افسانہ و افسونِ زلیخائی رفت
راز ہائے کہ نہاں بود ببازار افتاد
آں سخن سازی و آں انجمن آرائی رفت
چشم بکشائے اگر چشمِ تو صاحب نظر است
زندگی در پئے تعمیرِ جہانِ دگر است

من دریں خاکِ کہن گوہرِ جاں می بینم
چشمِ ہر ذرہ چو انجم نگراں می بینم
دانۂ را کہ بآغوشِ زمین است ہنوز
شاخ در شاخ و برومند و جواں می بینم
کوہ را مثلِ پرِ کاہ سبک می یابم
پرِ کاہے صفتِ کوہِ گراں می بینم

انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیرِ افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم

خرّم آں کس کہ دریں گرد سوارے بیند
جوہرِ نغمہ ز لرزیدنِ تارے بیند

زندگی جوئے روان است و رواں خواہد بود
ایں مئے کہنہ جوان است و جواں خواہد بود

آنچہ بود است و نباید ز میاں خواہد رفت
آنچہ بایست و نبود است ہماں خواہد بود

عشق از لذّتِ دیدار سراپا نظر است
حسن مشتاقِ نمود است و عیاں خواہد بود

آں زمینے کہ بر و گریۂ خونیں زدہ ام
اشکِ من در جگرش لعلِ گراں خواہد بود

"مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند"

جمعیّت الاقوام

برفتد تا روشِ رزم دریں بزمِ کہن
دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند!

شوپن ہار و نیٹشا

مرغے ز آشیانہ بسیرِ چمن پرید
خارے ز شاخِ گل بہ تنِ نازکش خلید
بد گفت فطرتِ چمنِ روزگار را
از دردِ خویش وہم ز غمِ دیگراں تپید
داغے ز خونِ بیگنہے لالہ را شمرد
اندر طلسمِ غنچہ فریبِ بہار دید
گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج
صبحے کجا کہ چرخ در و شامہا نہ چید
نالید تا بجوصلۂ آں نوا طراز
خوں گشت نغمہ وز دو چشمش فرو چکید

شوپن ہار و نیٹشا۔ جرمنی کے دو مشہور فلسفی

سوزِ فغانِ او بدلِ ہدہدے گرفت
با نوکِ خویش خار ز اندامِ او کشید
گفتش کہ سودِ خویش ز جیبِ زیاں برآر
گُل از شگافِ سینہ زرِ ناب آفرید
درماں ز درد ساز اگر خستہ تن شوی
خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

فلسفہ و سیاست

فلسفی را با سیاست داں بیک میزاں مسنج
چشمِ آں خورشید کورے دیدۂ ایں بے نمے
آں تراشد قولِ حق را حجّتِ نا استوار
ویں تراشد قولِ باطل را دلیلِ محکمے!

صحبتِ رفتگاں

(در عالمِ بالا)

ٹالسٹائے

بارکشِ اہرمن لشکری شہریار   از پئے نانِ جویں تیغِ ستم برکشید
زشت بہ چشمش نکوست مغز نداند ز پوست   مردکِ بیگانہ دوست سینۂ خویشاں درید!
داروئے بیہوشی است تاجِ کلیسا و طن   جانِ خدا داد را خواجہ بجامے خرید!

کارل مارکس

رازدانِ جزو و کل از خویش نامحرم شداست
آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شداست!

ٹالسٹائے :- روس کا مشہور مصلح جس نے یورپ کی سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی۔
کارل مارکس :- جرمنی کا مشہور اسرائیلی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ" کو مذہب اشتراک کی بائبل تصور کرنا چاہیئے۔

ہیگل

جلوہ دہد باغ و راغ معنیٔ مستور را
عینِ حقیقت نگر حنظل و انگور را

فطرتِ اضداد خیز لذتِ پیکار داد
خواجہ و مزدور را آمر و مامور را

ٹالسٹائے

عقل دورو آفرید فلسفۂ خود پرست!
درسِ رضا می دہی بندۂ مزدور را؟

مزدک

دانۂ ایراں ز کشتِ زار و قیصر بر دمید
مرگِ نو می رقصد اندر قصرِ سلطان و امیر

مدتے در آتشِ نمرود می سوزد خلیل
تا تہی گردد حریمِ انِ خداوندانِ پیر

دورِ پرویزی گذشت اے کشتۂ پرویز خیز!
نعمتِ گم گشتۂ خود را ز خسرو باز گیر

کوہکن

نگارِ من کہ بسے سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است

ہیگل ۔ جرمنی کا مشہور معروف فلسفی ۔

برونِ او ہمہ بزم و درونِ او ہمہ رزم
زبانِ او ز مسیح و دلش ز چنگیز است

گسست عقل و جنوں رنگ بست و دیدہ گداخت
در آں تجلوہ کہ جانم ز شوق لبریز است

اگرچہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد
ہنوز گردشِ گردوں بکامِ پرویز است

زخاک تا بہ فلک ہر چہ ہست رہ پیماست
قدم کشائے کہ رفتارِ کارواں تیز است

نیٹشا

از مستیٔ عناصرِ انساں دلش تپید
فکرِ حکیم پیکرِ محکم ترآفرید

افگند در فرنگ صد آشوبِ تازہ
دیوانۂ بکارگہِ شیشہ گر رسید!

حکیم آئن سٹائن

جلوۂ می خواست مانندِ کلیمِ ناصبور

تا ضمیرِ مستنیرِ او کشود اسرارِ نور

از فرازِ آسمان تا چشمِ آدم یک نفس!

زود پروازے که پروازش نیاید در شعور!

خلوتِ او در زغالِ تیره فام اندر مغاک!

جلوتش سوزد درختے را چو خس بالائے طور!

بے تغیّر در طلسمِ چون و چند و بیش و کم!

برتر از پست و بلند و دیر و زود و نزد و دور!

در نهادش تار و شید و سوز و ساز و مرگ و زیست!

اهرمن از سوزِ او و ز سازِ او جبریل و حور!

آئن سٹائن:- جرمنی کا مشہور ماہرِ ریاضیات و طبعیات جس نے حال میں نظریۂ اضافیت کا حیرت انگیز انکشاف کیا ہے۔

من چہ گویم از مقامِ آں حکیمِ نکتہ سنج
کردہ زردشتے ز نسلِ موسیٰ و ہاروں ظہور!

بائرن

مثالِ لالہ و گل شعلہ از زمیں روید
اگر بہ خاکِ گلستاں تراود از جامش
نبود در خورِ طبعش ہوائے سردِ فرنگ
تپید پیکِ محبت ز سوزِ پیغامش
خیالِ او چہ پریخانۂ بنا کردہ است
شباب غش کند از جلوۂ لبِ بامش
گذاشت طائرِ معنی نشیمنِ خود را
کہ سازگار تر افتاد حلقۂ دامش!

حکیم آئن سٹائن بنی اسرائیل سے ہے

بائرن ۔ انگلستان کا مشہور شاعر

نیٹشا

گر نوا خواہی ز پیشِ او گریز
در نئے کلکش غریوِ تندر است

نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد
دستش از خونِ چلیپا احمر است

آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت
قلبِ او مومن دماغش کافر است

خویش را در نارِ آں نمرود سوز
زانکہ بستانِ خلیلؑ از آذر است

نوٹ : نیٹشا نے مسیحی فلسفۂ اخلاق پر زبردست حملہ کیا ہے۔ اس کا دماغ اس لئے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے گو بعض اخلاقی نتائج میں اُس کے افکار مذہب اسلام کے بہت قریب ہیں "قلبِ او مومن دماغش کافر است"۔ نبی کریمؐ نے اس قسم کا جملہ اُمیہ ابن الصّلت (عرب شاعر) کی نسبت کہا تھا۔ آمن لسانہ وکفر قلبہ۔

آذر بمعنی آتش۔

جلال[1] و ہیگل

می کشودم شبی بناخنِ فکر — عقدہ ہائی حکیمِ المانی

آنکہ اندیشہ اش برہنہ نمود — ابدی را ز کسوتِ آنی

پیشِ عرضِ خیالِ او گیتی — خجل آمد ز تنگ دامانی

چوں بدریائی او فرو رفتم — کشتیِ عقل گشت طوفانی

خواب برمن دمید افسونی — چشم بستم ز باقی و فانی

نگہِ شوق تیز تر گردید — چہرہ بنمود پیرِ یزدانی

آفتابی کہ از تجلّیِ او — اُفقِ روم و شام نورانی

شعلہ اش در جہانِ تیرہ نہاد — بہ بیاباں چراغِ رہبانی

معنی از حرفِ او ہمی روید — صفتِ لالہ ہائی نعمانی

گفت با من، چہ خفتہ برخیز! — بہ سرابی سفینہ می رانی؟

[1] مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ۔

"بہ خضر راہِ عشق می پوئی؟

بہ چراغ آفتاب می جوئی؟"

پٹوفی

شاعرِ جوانا مرگِ ہنگری کہ در معرکہ کارزار در حمایتِ وطن کشتہ شد

و نعشِ او نیافتند تا یادگارِ خاکی از و بماند

نفسے درین گلستانِ زعروسِ گل سرودی

بدلے غمے فزودی زدلے غمے ربودی

تو بخونِ خویش بستی کفِ لالہ رانگارے

تو باہِ صبحگاہے دلِ غنچہ راکشودی

بنوائے خود گم استی سخنِ تو مرقدِ تو

بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی!

محاورہ مابین حکیم فرنسوی آگسٹس کومٹ و مردِ مزدور

حکیم

"بنی آدم اعضائے یکدیگر اند" ہماں نخل را شاخ و برگ و بر اند

دماغ ار خرد زاست از فطرت است اگر پا زمیں ساست از فطرت است

یکے کار فرما، یکے کار ساز نیاید ز محمود کارِ ایاز

نہ بینی کہ از قسمتِ کارِ زیست

سراپا چمن می شود خارِ زیست؟

مردِ مزدور

فریبی بحکمت مرا اے حکیم کہ نتواں شکست ایں طلسمِ قدیم

مسِ خام را از زر اندودۂ؟ مرا خوئے تسلیم فرمودۂ؟

کند بحر را آب نایم اسیر زخارا بُرد تیشہ ام جوئے شیر

آگسٹس کومٹ:۔ فرانس کا مشہور حکیم۔

حقِ کوہکن دادی اے نکتہ سنج
بہ پرویزِ پُرکار و نا بردہ رنج؟

خطا را بحکمت مگرداں صواب
خضر را نگیری بدامِ سراب

بدوشِ زمیں، بار، سرمایہ دار
ندارد گذشت از خور و خواب کار

جہاں راست بہرِ زی از دستِ مُزد
ندانی کہ ایں ہیچ کاراست دُزد

پئے جرمِ او پوزش آوردۂ؟
بایں عقل و دانش فسوں خوردۂ؟

ہیگل

حکمتش معقول را با محسوس در خلوت نرفت
گرچہ بکرِ فکرِ او پیرایہ پوشد چوں عروس
طائرِ عقلِ فلک پروازِ او دانی کہ چیست؟
"ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس"

جلال رح و گوئٹے

نکتہ دانِ المنی را در ارم — صحبتے افتاد با پیرِ عجم

شاعرے کو ہمچو آں عالی جناب — نیست پیغمبر و لے دارد کتاب!

خواند بر دانائے اسرارِ قدیم — قصۂ پیمانِ ابلیس و حکیم

گفت رومی اے سخن را جاں نگار — تو ملک صید استی و یزداں شکار

فکرِ تو در کنجِ دل خلوت گزید — ایں جہانِ کہنہ را باز آفرید

سوز و سازِ جاں بہ پیکر دیدۂ — در صدف تعمیرِ گوہر دیدۂ

نوٹ۔ نکتہ دانِ المنی سے مراد گوئٹے ہے۔ جس کا ڈراما "فوسٹ" مشہور و معروف ہے۔ اس ڈرامے میں شاعر نے حکیم فوسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشوونما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آسکتا۔

ہر کسے از رمزِ عشق آگاہ نیست　　ہر کسے شایانِ ایں درگاہ نیست

"داند آں کو نیکبخت و محرم است

زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است"　　(رومی)

پیغامِ برگساں

تا بر تو آشکار شود رازِ زندگی

خود را جدا ز شعلہ مثالِ شرر مکن

بہرِ نظارہ جز نگہِ آشنا میار

در مرز و بومِ خود چو غریباں گذر مکن

نقشے کہ بستۂ ہمہ اوہامِ باطل است

عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

برگساں - فرانس کا مشہور حکیم

میخانۂ فرنگ

یادِ ایامے کہ بودم در خمستانِ فرنگ
جامِ او روشن تر از آئینۂ اسکندر است
چشمِ مستِ مے فروشش بادہ را پروردگار
بادہ خواراں را نگاہِ ساقی اش پیغمبر است
جلوۂ او بے کلیمؑ و شعلۂ او بے خلیلؑ
عقلِ ناپروا متاعِ عشق را غارتگر است

در ہوایش گرمیٔ یک آہ بیتابانہ نیست
رندِ ایں میخانہ را یک لغزشِ مستانہ نیست!

موسیو لینن و قیصر ولیم

موسیو لینن

بسے گذشت کہ آدم دریں سرائے کہن
مثالِ دانہ تہِ سنگِ آسیا بودست
فریبِ زاری و افسونِ قیصری خوردست
اسیرِ حلقۂ دامِ کلیسیا بودست
غلامِ گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قمیصِ خواجہ کہ رنگیں زخونِ ما بودست
شرارِ آتشِ جمہور کہنہ ساماں سوخت
ردائے پیرِ کلیسیا، قبائے سلطاں سوخت

لینن - صدر جمہوریہ اشتراکیہ روسیہ

قیصر ولیم

گناہِ عشوہ و نازِ بتاں چیست
طواف اندر سرشتِ برہمن ہست

دما دم نو خداوندان تراشد
کہ بیزار از خدایانِ کہن ہست

ز جورِ رہزناں کم گو کہ رہرو
متاعِ خویش را خود راہزن ہست

اگر تاجِ کئی جمہور پوشد
ہماں ہنگامہ ہا در انجمن ہست

ہوس اندر دلِ آدم نہ میرد
ہماں آتش میانِ مرزغن ہست

عروسِ اقتدارِ سحر فن را
ہماں پیچاکِ زلفِ پرشکن ہست

"نماند نازِ شیریں بے خریدار
اگر خسرو نباشد کوہکن ہست"

مرزغن - آتشدان

حکما

لاک

ساغرش را سحر از بادۂ خورشید افروخت
ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آمد

کانٹ

فطرتش ذوقِ مئے آئینہ فامے آورد
از شبستانِ ازل کوکبِ جامے آورد

برگساں

نہ مئے از ازل آورد نہ جامے آورد
لالہ از داغِ جگر سوزِ دوامے آورد

لاک ۔ انگریز فلسفی ۔ کانٹ ۔ جرمن فلسفی

شعرا

براؤننگ*

بے پشت بود بادۂ سر جوشِ زندگی　　آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

بائرن

از منّتِ خضر نتواں کرد سینہ داغ　　آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

غالب

"تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر　　بگذارم آبگینہ و در ساغر افگنم"

رومی

آمیزشے کجا گہرِ پاکِ او کجا
از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

---

* براؤننگ۔ انگریزی شاعر

خراباتِ فرنگ

دوش رفتم بہ تماشائے خراباتِ فرنگ
شوخ گفتارئی رندے دلم از دست ربود

گفت این نیست کلیسا کہ بیابی در وے
صحبتِ دخترکِ زہرہ وش و نائے و سرود

این خراباتِ فرنگ است و ز تاثیرِ مئش
آنچہ مذموم شمارند نماید محمود

نیک و بد را بترازوئے دگر سنجیدیم
چشمۂ داشت ترازوئے نصارے و یہود

خوب، زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست
زشت، خوب است اگر تاب و توانِ تو فزود

رند سے مراد نیٹشا ہے۔

تو اگر در نگری جذبہ ریا نیست حیات
ہر کہ اندر گروِ صدق و صفا بود نبود

دعوئے صدق و صفا پردۂ ناموسِ ریاست
پیرِ ما گفت مس از سیم بباید اندود

فاش گفتم بتو اسرارِ نہانخانۂ زیست
بکسے باز مگو تا کہ بیابی مقصود

خطاب بہ انگلستان

مشرقی بادہ چشید است ز مینائے فرنگ
عجبے نیست اگر توبۂ دیرینہ شکست

فکرِ نو زادۂ او شیوۂ تدبیر آموخت
جوش زد خوں بہ رگِ بندۂ تقدیر پرست
ساقیا تنگ دل از شورشِ مستاں نشوی
خود تو انصاف بدہ ایں ہمہ ہنگامہ کہ بست؟

"بوئے گل خود بہ چمن راہ نما شد ز نخست
ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست"

قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور

غوغائے کارخانۂ آہنگری ز من
گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو

نخلے کہ شہ خراج بردمی نہد زمن
باغِ بہشت و سدرہ وطوبا ازانِ تو
تلخابہ کہ دردِ سر آرد ازانِ من
صہبائے پاکِ آدم و حوّا ازانِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من
ظلِّ ہما و شہپرِ عنقا ازانِ تو

ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من
وز خاک تا بہ عرشِ معلّا ازانِ تو

نوائے مزدور

زمزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش
نصیبِ خواجۂ ناکردہ کار رختِ حریر
زخوے فشانیِ من لعلِ خاتمِ والی
زاشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ امیر
زخونِ من چو زلو فربہی کلیسا را
بزورِ بازوئے من دستِ سلطنت ہمہ گیر
خرابہ رشکِ گلستاں زگریۂ سحرم
شبابِ لالہ و گل از طراوتِ جگرم
بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز
مئے کہ شیشہ گداز د بہ ساغر اندازیم

ستام۔ سازِ اسپ ٭ زلو۔ جونک

مغان و دیر مغاں را نظامِ تازہ دہیم
بنائے میکدہ ہائے کہن بر اندازیم
ز رہزنانِ چمن انتقامِ لالہ کشیم
بہ بزمِ غنچہ و گل طرحِ دیگر اندازیم

بطوفِ شمع چو پروانہ زیستن تا کے
ز خویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تا کے

آزادیٔ بحر

بطے می گفت بحر آزاد گردید
چنیں فرماں زدیوانِ خضر رفت

نہنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی
ولے از ما نباید بیخبر رفت
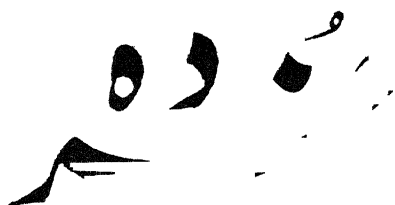
می خورد ھر ذرّۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل زندگی مشکل تر است

دُر دانہ ادا شناسِ دریاست
از گردشِ آسیا چہ داند

کلک را نالہ از تہی مغزی است
قلمِ سرمہ را صریرے نیست

منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار
منم کہ پیشِ بتاں نعرہ ہائے ہوزدہ ام
دلم ہنوز تقاضائے جستجو دارد
قدم بہ جادۂ باریک ترز موزدہ ام

گل گفت کہ عیشِ نو بہارے خوشتر
یک صبحِ چمن ز روزگارے خوشتر
زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
مردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

سخن گو طفلک و برنا و پیر است
سخن را سالے و ماہے نباشد

چشم را بینائی افزاید سہ چیز
سبزہ و آبِ روان و روئے خوش
کالبد را فربہی می آورد
جامۂ قز، جانِ بے غم، بوئے خوش

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں

طاقتِ عفو در تو نیست اگر
خیز و با دشمناں درآ بہ ستیز
سینہ را کارگاہِ کینہ مساز
سرکہ در انگبینِ خویش مریز

از نزاکت ہائے طبعِ موشگافاں وا مپرس
کز دمِ بادے زجاجِ شاعرِ ما بشکند
کے تواند گفت شرحِ کارزارِ زندگی
"می پرد رنگش، حبابے چوں بدریا بشکند"

در جہاں مانندِ جوئے کوہسار
از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیلِ بے زنہار خیز
فارغ از پست و بلندِ راہ شو

اے کہ گل چیدی منال از نیشِ خار
خار ہم می روید از بادِ بہار

مزن وسمہ بر ریش و ابروئے خویش
جوانی ز دزدیدنِ سال نیست

ندارد کار با دوں ہمتاں عشق
تذروِ مردہ را شاہیں نگیرد

نقدِ شاعر در خورِ بازار نیست
نان بسیمِ نسترن نتوان خرید

چہ خوش بودے اگر مردِ نکو پے
زبندِ پاستاں آزاد رفتے
اگر تقلید بودے شیوۂ خوب
پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

کتبہ

عبدالمجید پروین رقم لوہاری منڈی لاہور